تحقیق و تحریر

پروفیسر محمد حسین آسی

باسمہ تعالیٰ

خود تو گویا امن وایماں کی حسیں تصویر ہیں

اور عبودیت کا پیکر ہ براہ آمنہ

حضور کے والدین
رضی اللہ عنہما

تحقیق و تحریر

پروفیسر محمد حسین آسی

ادارہ تعلیمات مجددیہ

ارشد لائبریری ریلوے روڈ شکر گڑھ

بظلِ عنایت

حضور امام ربانی سیدنا شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

☆

سلسلہ اشاعت نمبر 21

کتاب — حضور کے والدین رضی اللہ عنہما

مولئف — علامہ پروفیسر محمد حسین آسی

کمپوزنگ — انٹر نیشنل کالج آف کمپیوٹر سائنسز
اینڈ کمپوزنگ سنٹر ریلوے روڈ شکر گڑھ (Ph:3011)

اشاعت — یکم اکتوبر ۱۹۹۹ء

صفحات — 88

ہدیہ — 20 روپے

ملنے کا پتہ

☆ ادارہ تعلیمات مجددیہ ریلوے روڈ شکر گڑھ

☆ لاثانی بک سنٹر ریلوے روڈ شکر گڑھ

☆ مکتبہ نقش لاثانی عقب جناح اسٹیڈیم سیالکوٹ

نوٹ

بذریعہ ڈاک منگوانے والے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ ادارہ کے نام پر ارسال کریں۔

انتساب

☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

حضور پر نور، شافع یوم النشور، سرورِ دیں، رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم

کی والدہ ماجدہ، طیبہ مطاہرہ حضور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

کی بارگاہِ عرش اشتباہ

میں

ہدیہ عاجزانہ و غلامانہ

بوساطت سراپا برکت

شہنشاہِ ولایت، خازن رشد وہدایت قیوم زمانی حضور نقشِ لاثانی قدس سرہ

منجانب

سگِ دربار حضور نقش لاثانی

آسی عفی عنہ

۱۲ جمادی الآخر ۱۴۲۰ھ

﴿ سامانِ نجات ﴾

۷ جنوری ۱۹۹۹ء کو یہ خبر سید محمد اخلاق، اور ان کے دو ساتھیوں کے حوالے سے عام ہوئی کہ سعودی عرب کی نجدی حکومت نے اپنے شر پسند علما کے کہنے پر امِ حبیب خدا، حضور سیدہ طیبہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزارِ اقدس کو ابو اشریف میں مسمار کر دیا ہے۔ اور بلڈوزر کے ساتھ ساری زمین کی ہیت کو بدل دیا ہے، اب وہاں غلاظت کے ڈھیر نظر آتے ہیں اور مزار اقدس کو جانے والا راستہ شیشوں سے اٹا ہوا ہے، اس روح فرسا خبر نے تمام عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ بالخصوص پاک و ہند کے مسلمانوں نے اپنی غیرت اسلامی اور حمیت ایمانی کا دل کھول کر مظاہرہ کیا۔ احتجاجی جلسے کیے، جلوس نکالے، پمفلٹ تقسیم کیے اور جید علما نے مقالے تحریر کیے، مفتیان شرع نے فتوے جاری کیے، یہ تمام کاوشیں ان کے دلی جذبات کی عکاسی کرتی ہیں اور در حقیقت حضور رسالت مآب ﷺ کے دربار گوہر بار میں بیکس و بے بس امتیوں کی طرف سے نذرِ محبت ہیں، یہ حقیقت ہے کہ اسلامی ممالک کی حکومتوں نے اس واقعہ کا کوئی قابل ذکر اثر قبول نہیں کیا، شاید یہ لوگ مصلحتوں کے گمبھیرتے میں اسقدر کھو چکے ہیں کہ ان کو اپنے ایمانی تقاضوں کا بھی کوئی شعور نہیں، اگر تمام اسلامی حکومتیں، عربی حکومت کے سامنے موثر انداز میں احتجاج کرتیں تو کون سی وجہ ہے کہ اس کو اپنی کالی کرتوت کا احساس نہ ہوتا۔ کاش ان گستاخوں سے کوئی سوال کرنے والا ہوتا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی والدہ مخدومہ کونین، سیدہ دارینؓ کی قبر مبارک کی پامالی، بے حرمتی اور اسکی نامعلوم جگہ پر منتقلی کا تمہارے پاس کیا شرعی جواز ہے سوائے

اس کے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغض رکھتے ہو، تمہیں حضور محسن اعظم ﷺ کی ہر نسبت سے دشمنی ہے۔ عالم اسلام کی مجبور عوام کیا کر سکتے ہیں، ان کے پاس بے بسی کی چتاؤں پر جلنے والے چند آنسوؤں کے سوا کیا رہنے دیا گیا ہے۔ یہی وہ آنسو ہیں جو اس زوال آشنا ملت کا سامان نجات ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے استادِ گرامی قبلہ پروفیسر آسی صاحب، دیگر صاحبان درد سے پیچھے نہیں، انہوں نے اس سانحہ عظیم کا دکھ پوری طرح محسوس کیا اور حضرت سیدہ آمنہؓ کی بارگاہ میں اس مقالہ کی صورت میں ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے، ایک دن میں نے آپ کی زیارت کی تو فرمانے لگے کہ یہ مقالہ میں اپنی نجات کیلئے لکھ رہا ہوں، اللہ اللہ! یہ کم سعادت ہے کہ ان کا نام حضور جان دو عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے مدحت سراؤں میں آگیا ہے کسی عام آدمی سے اسکی ماں کا واسطہ دے کر کچھ طلب کیا جائے تو وہ لاج رکھتا ہے، پھر ماں کے قدموں میں جنت رکھنے والا رسول اس رشتے کے تقدس اور واسطے کا کتنا لحاظ رکھے گا، کس کی چشم بصیرت اس کا اندازہ لگا سکتی ہے، میں نے عرض کیا، جناب میں اس مقالے کو اپنی نجات کیلئے ادارہ تعلیماتِ مجددیہ کی طرف سے چھپوا کر عام کروں گا۔ الحمد للہ! مولا کریم نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے صدقے اس کی توفیق ارزانی فرمائی تمام اہل محبت نجات حاصل کرنے کیلئے اس کو حاصل کریں، پڑھیں، یاد رکھیں اور دوسروں تک پہنچائیں ۔ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے ادارے کو قائم کرنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ نہیں بلکہ زندگی کا حاصل مل گیا، سامانِ نجات جو ہاتھوں میں ہے۔

☆☆☆

مدحتِ امِ شہِ والا ہے سامانِ نجات

واہ وا دامانِ دل میں کیا ہے سامانِ نجات

ایک اک حرف سخن ہے رحمتِ حق کا امیں

ایک اک ارمان میں دیکھا ہے، سامانِ نجات

گوہر شبنم سے کیا دوں اشکِ بسمل کی مثال

یوں سمجھ کہ آنکھ سے نکلا ہے سامانِ نجات

اپنی پلکوں سے اٹھاوں اپنی نظروں میں رکھوں

ذرہ خاکِ در ابوا ہے سامانِ نجات

امن وایماں، فضل واحساں، شان وعظمت دیکھئے

ان کی سیرت کا ہر اک گوشہ ہے سامانِ نجات

مادرِ سرکار کی الفت ہوئی دل کا سکوں

مرحبا ہم نے بھی کیا پایا ہے سامانِ نجات

مفلسو! اٹھو در سرکار سے حاصل کرو

ہاں وہی داتا ہے جو دیتا ہے سامانِ نجات

اے مسلماں! قدر کر ہر نسبتِ محبوب کی

نسبتِ محبوب ہی گویا ہے سامانِ نجات

انکی حسرت میں جیوں اور انکی چاہت میں مروں

مختصر تو ہے مگر اچھا ہے سامانِ نجات

کیا غلام زار کی اوقات کیا حسن خیال

حضرت آسی نے یہ بخشا ہے سامانِ نجات

غلام مصطفیٰ مجددی (ایم۔اے)

مقامِ مصطفےٰ اور منکرین

☆☆☆

حضور پر نور ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے مسئلے بلکہ بہت سے دوسرے اعتقادی مسائل کا حل تلاش کرنے سے پہلے خود حضور پر نور ﷺ کے بارے میں آدمی کا ذہن صاف اور ہر قسم کی گردِ کدورت سے پاک ہونا چاہیئے۔ سرورِ کائنات اصل موجودات حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک اہم شان تو یہ ہے کہ آپ خدا کے رسول اور نائب و نمائندہ ہیں، آپ کی رضا، اللہ کی رضا، اطاعت اللہ کی اطاعت اور محبت اللہ کی محبت ہے۔ دوسری اہم شان یہ ہے کہ آپ بنی نوع انسان کے ایک فرد ہیں، اگرچہ سب سے اعلیٰ، سب سے ممتاز اور سب کیلئے سرمایہ فخر و مباہات۔ اہلِ ایمان ان دونوں شانوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر ان کی زیادہ توجہ ان کے مِنَ اللہ یعنی اللہ کی نمائندگی کی طرف ہوتی ہے۔ وہ انہیں "بشر" مانتے ہوئے بھی خیر البشر اور سید البشر سمجھتے ہیں جبکہ کفار و منافقین کی توجہ ان کے مخلوق ہونے، گروہ انسانیت کا ایک فرد ہونے اور اپنے جیسا بے بس انسان ہونے پر مرتکز رہتی ہے، کفار اور منافقین میں باہمی فرق کچھ ہے تو انکار میں نہیں بلکہ اظہار میں ہے۔ جو انکار ظاہر کرتا ہے، کافر کہلاتا ہے اور جو اسے چھپاتا ہے منافق ہے اندر کے انکار کو ظاہر کرنا مشکل نہیں، عموماً چھپانا مشکل ہے اور گویا منافق کافر سے مشکل کام کرتا ہے۔ مشکل کام، کرنے کی وجہ سے کفر میں اسکا درجہ بھی بڑا، کفر کو اسکا فائدہ بھی زیادہ اور اسلام کو اس کا نقصان بھی زیادہ ہے (اس لئے اس کا عذاب بھی زیادہ ہوگا۔ سورۃ الفتح میں ہے وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ

اَلْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکَاتِ ترجمہ: ''گویا عذاب کے استحقاق میں منافق مرد عورتیں، مشرک مرد عورتوں پر مقدم ہیں) منافق کفر چھپانے کی وجہ سے وہ سب کام کرپاتا ہے جس کی کھلے کافر کو حسرت تو ہو سکتی ہے، جراءت نہیں ہوتی۔ دیکھئے، رسول کی رسالت ہی اس کے تمام فضائل کی بنیاد ہے، کافر نے اسکا صاف انکار کر دیا ہے، اب اس کے ساتھ فضائل ولوازم رسالت کی بحث میں الجھنا فضول ہے، منافق نے ظاہراً رسول کو رسول مان لیا مگر فضائل و لوازم رسالت سے منہ پھیر لیا بلکہ ان کے خلاف حسبِ توقع شور بھی مچاتا ہے۔ کافر ہوتا تو رسول کا انکار کر کے مسلمانوں سے الگ تھلگ ہو جاتا اور منافق ہے تو مسلمانوں میں گھس کر مقامِ رسالت کی عظمتوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ گویا محبوبِ خدا ﷺ کے بارے میں دل کی بھڑاس نکالنے کیلئے راہ کفر سے راہِ منافقت زیادہ راس آنے والی چیز ہے، خصوصاً اس وقت تو منافقت کی چیرہ دستیاں اور عیاریاں پورے عروج پر ہوتی ہیں جب علم کتاب وحدیث کا لبادہ بھی اوڑھے ہوئے ہو۔

منافقین: کافر کو بھی رسولِ اسلام ﷺ سے بغض ہوتا ہے مگر منافق کا بغض زیادہ شدید ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کافر بھی حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کی محبت سے خالی ہوتا ہے مگر منافق اس سے بھی زیادہ خالی ہوتا ہے۔ کافر کو انکار تو ہوتا ہے مگر عموماً چِڑ نہیں ہوتی، منافق فضائل وکمالات کا انکار کر کے عموماً ''چِڑ'' تک جا پہنچتا ہے اور جب چِڑ تک پہنچتا ہے تو عموماً ہدایت کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اگرچہ کھلے کافروں میں بھی ہو سکتی ہے اور خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوبِهِم کا وہ بھی مصداق بن سکتے ہیں مگر منافقوں کی اکثریت اس (کیفیت) کا شکار رہتی ہے کافر، قرآن کو مانتے ہی نہیں، انہیں اس کا حوالہ کیوں دیا جائے گا، البتہ

منافق اسے ماننے کا اقرار کرتے ہیں، لہذا انہیں قرآنِ پاک کا حوالہ دیا جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ قرآنِ پاک سن کر سر تسلیم خم کرنے سے تو رہے، ہاں منافقت میں زیادہ شدت پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ قرآنِ پاک فرماتا ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھادی (کنزالایمان) میں نے عرض کیا ہے

سناتے کیا ہو آیاتِ شفا پڑھ پڑھ کے ظالم کو

نبی کے بغض کا بیمار اچھا ہو نہیں سکتا

حقیقت یہ ہے کہ نبی کے بغض کو سینے میں چھپا کر اس کی نبوت و رسالت کا اقرار کرنا ہی تو منافقت ہے۔ جہاں سے یہ بات پوری وضاحت سے سامنے آجاتی ہے کہ ایمان و منافقت کا سب سے زیادہ امتیازی فرق اطاعتِ رسول نہیں بلکہ محبت رسول ہے۔ مومن دل و جان سے تاجدارِ رسالت کا شیدائی و فدائی ہوتا ہے جب کہ منافق اس کوچے سے نابلد ہے بلکہ اسے کوئے مہر و محبت سے دور رکھا گیا ہے اور حضرت خواجہ شیراز علیہ الرحمۃ کا ایک خوبصورت مصرع ذرا تبدیلی سے اس کے حسبِ حال یوں ہو جاتا ہے۔

ع در کوئے عشق و مستی اور اگزر نداند

یونہی حضرت جامی کا ایک مقطع:

بندہ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور ان کے حسبِ حال یہ ہے:

بندہ نفس شدی ترک ادب کن نجدی

کہ دریں راہِ جفا، شرم و حیا چیزے نیست

حضرت اقبال علیہ الرحمہ نے جب فرمایا تھا کہ :

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

تو مقصود یہی تھا کہ عشق و مستی کے بغیر مقامِ رسالت، کی "ر" بھی سمجھ میں نہیں آتی، اور منافقین اس دولتِ لازوال سے یکسر محروم ہیں۔

منہ پھٹ لوگ : آپ نے اپنی زندگی میں ایسے لوگ بھی دیکھے ہوں گے جو نہایت احتیاط سے اور رکھاؤ سے گفتگو کرتے ہیں، ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دل کے زخموں کو بھرنے کا کام تو کریں، کسی کا دل نہ دکھائیں اور کسی کے جذبات کو برانگیختہ نہ کریں، بقولِ انیس

خیالِ خاطر احباب چاہیئے ہر دم

انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آب گینوں کو

اور ان کے برعکس آپ کا ایسے انسانوں سے بھی پالا پڑا ہوگا جن کا طرزِ بیان نہایت وحشیانہ، مجادلانہ، معاندانہ و مخاصمانہ ہوتا ہے۔ ان کی باتیں سنیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض لباسِ انسانیت میں ہیں، انسانیت سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کے منہ میں زبان اظہار مطلب کیلئے نہیں، اظہارِ وحشت و خباثت کیلئے ہے۔ انہیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کہ ان کی بات کس کس کا دل چیر گئی ہے اور کس کس کی روح کو بے چین کر گئی ہے۔ وہ زبان سے ایک بات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بات ہی کی ہے کسی کو پتھر تو نہیں مارا، حالانکہ بسا اوقات ان کی بات پتھر سے زیادہ زخمی کرنے والی ہوتی ہے۔ چونکہ ان کی انسانیت، شکل انسانی تک ہی محدود ہوتی ہے لہذا شیشہ دل کی نزاکت کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر اس قسم کے لوگ آپ کے پردہ تصور پر آگئے ہیں تو سمجھ لیجئے منافق اس قسم

کے سانپوں اور بچھوؤں میں سب سے زیادہ زہریلا ہوتا ہے، یہ بدبخت عام انسان کے بارے میں نہیں، اس ذاتِ پاک کے بارے میں دریدہ دہن ہوتا ہے جو اللہ کو سب محبوبوں سے زیادہ محبوب و مطلوب ہے، جس کی ادنیٰ سی گستاخی ایمان کی شہ رگ کو کاٹ دیتی ہے، جو بنائے بزم شہود ہے اور حاصلِ ہست و بود ہے۔ منافق کی بدبختی اور کج فہمی ملاحظہ فرمائیں جس آئینہ وحدت ﷺ کا ادب و احترام توحید کا اولین تقاضا ہے، اسی کی بے ادبی و اہانت کو توحید کا نام دیتا ہے، جس سراپا عزت و تکریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کو قرآن پاک میں ایمان کے بعد مقصدِ بعثت قرار دیا گیا ہے، اسی کی عزت و تکریم کو شرک قرار دیتا ہے، جس محبوب کے رب ہونے کی نسبت سے فلا ربك فرما کر اپنی ربوبیت کی قسم اٹھاتا ہے، منافق اسی کی نسبت کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔ ہاں ہاں منافق جب ان کی اپنی پیغمبرانہ عظمت و وجاہت کا باغی ہے، ان کی نسبت کا کیا خیال کرے گا۔ اور اگر اسے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اپنی رفعت و سطوت سے انکار نہ ہوتا تو ان کی نسبت کی عظمت کا بھی ضرور پاس کرتا۔ اس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا غلام ہونا، صحابی ہونا، اہل بیت ہونا، منظور نظر ہونا، ہمشکل ہونا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ سچ ہے جب وہ رسول اللہ کا نہیں بنا تو ان کے محبوبوں کا کیا بنتا، اور بنتا تو منافق کیوں ہوتا۔ وہ مومن تھوڑی ہے، جس کو اپنے رسول ﷺ کی ہر نسبت جان بلکہ دو جہان سے عزیز ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو، مومن دل سے قرآن پاک پر اور صاحبِ قرآن ﷺ پر ایمان رکھتا ہے اور منافق صرف زبان سے۔ مومن قرآن پاک سے عقیدہ و عمل سب کچھ لیتا ہے مگر منافق صرف جھگڑا، لڑائی، بحث وغیرہ کے سوا کچھ نہیں لیتا۔ قرآن پاک مومن پر مہربان ہے اور اسے رحمت و شفا سے بھر دیتا ہے نیز منافق پر لعنت بھیجتا ہے اور اسے بری طرح

شقاوت وجہالت میں مقید رہنے دیتا ہے۔ مومن نبی کی ہر نسبت کا ادب کرتا ہے کہ قرآن نے اسے یہی سکھایا ہے۔ اس کے نزدیک نبی ﷺ کا شہر، شہر کے درخت، شہر کی مٹی، صحابہ کرام، اہل بیت، نبی کے غلام، نام لیوا سب قابلِ احترام ہیں (صلی اللہ علیہ و علیہم وبارک وسلم) مومن کے نزدیک حضور پر نور ﷺ کا مولد بھی حرم ہے اور مدفن بھی۔ اسکے ایمان کے مطابق وہ خواتین جنہیں حضور شافع یوم النشور ﷺ کی ازواج مطہرات ہونے کا شرف حاصل ہوا، مقدس ماؤں کی حیثیت رکھتی ہیں اور زنانِ دہر کی سردار ہیں (کہ سورۃ احزاب میں یہی صراحت ملتی ہے) قرآن حکیم نے ان کے کلام ان کے شہر، اور ان کے زمانے کی قسم کھا کر زمانے پر واضح کردیا کہ محبوبِ رب العٰلمین ﷺ اس عظیم شان کے حامل ہیں کہ جو شے ان کی نسبت واضافت سے مشرف ہو جائے، خالقِ ارض وسما کی نظر میں عظیم ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم کی آیاتِ بنیات میں اگر کہیں اجمال ہے تو روایاتِ حدیث میں اور بھی تفصیل و توضیح سے مومنوں کو اس نقطہ نظر پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور مختلف طریقوں سے عشق و ادبِ رسول ﷺ کے تقاضے ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔ اہل ایمان سے عمل میں لاکھ کوتاہیاں سرزد ہو جائیں، وہ اپنے رسول ﷺ کے عشق وادب کے میدان میں کوئی کوتاہی اختیار نہیں کرتے چنانچہ وہ رسول اللہ کے تمام متعلقین و متعلقات کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسا انہیں کتاب و سنت نے سمجھایا ہے اور جسے سمجھنے سے منافقین قاصر ہیں۔

منافق کا طرزِ عمل: مختصر یہ کہ کفر کی حقیقت ہے بغضِ رسول اور منافقت ہے مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے اس بغض کو سینے میں چھپا کر ایمان کا دعویٰ و اظہار۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، سینے کی چھپی ہوئی چیز کو کون جان سکتا ہے اور

یہ بات کیونکر معلوم ہو سکتی ہے کہ فلاں شخص کے سینے میں بغضِ رسول ﷺ چھپا ہوا ہے یقیناً یہ بات آسان نہیں مگر منافق کی سیمابی طبیعت ہزار ہا جل و فریب کے پردوں میں چھپ کر بھی ظاہر ہوتی ہے اور اس کی صورت یہی ہے کہ رسول ماننے کا دعویٰ کر کے بھی وہ کبھی علمِ رسول پر حملہ کرتا ہے، کبھی اختیارِ رسول پر، کبھی شہرِ رسول سے توحش ہوتا ہے تو کبھی کسی محبوبِ رسول سے، وہ نماز و روزہ برداشت کر لیتا ہے مگر تعظیمِ رسول ﷺ کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اسے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا نبی کریم ﷺ سے چِڑ سی ہو جاتی ہے، نہ خود تعظیم کرتا ہے، نہ کسی کو تعظیمِ رسول ﷺ کرتے دیکھ سکتا ہے، آپ خود بھی ذکرِ نبی ﷺ سے گریزاں ہے، دوسروں کو بھی روکتا ہے، خود بھی فضائلِ رسول ﷺ کا منکر ہے، دوسروں کو بھی منکر دیکھنا چاہتا ہے۔ شیطان کی خصوصی توجہ اس کے شاملِ حال رہتی ہے اور اُن کے فیض سے اسے ہر خیر میں "شر" نظر آتا ہے اور ہر "شر" اس کے نزدیک خیر ٹھہرتا ہے۔

اس "چِڑ" کے سبب 'علم و ایمان' کے دروازے اس پر بند رہتے ہیں اور کتاب و سنت کے انوار سے کلیتاً محرومِ ابدی ہونے کی وجہ سے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے۔ علم غیب بلکہ حضور اکرم ﷺ کے کسی بھی دوسرے امتیازی و انفرادی وصف کی بات کر کے دیکھ لیجئے، بھڑک اٹھے گا۔ آیت سے دلیل لائیے، وہ اگر مگر شروع کر دیگا، آپ حدیث سنائیے، فوراً ضعیف کہہ دے گا منافق حضور پر نور ﷺ کے بارے میں اس طرزِ فکر و عمل کو 'کفر' نہیں، توحید سمجھتا ہے (جیسا کہ اوپر بھی مذکور ہوا) اور توحید میں زیادہ پختہ ہونے کیلئے وہ "انکار" (یعنی 'کفر') میں پختہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس 'کفر' میں اس حد تک آگے نکل جاتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ کو راضی کرنے کو شرک سمجھتا ہے اور شرک سے بچنے کیلئے

گویا اسے ہر ایسا کام کرنا پڑتا ہے جس سے حضور پر نور ﷺ کا دل دکھے۔ اپنی منافقت کے ناتے سے اگرچہ وہ اپنے اس 'بغض' اور 'ضد' پر پردہ ڈالنے کی پوری کوشش کرتا ہے مگر جو بیماری رگ و پے میں سما کر فطرت پر غالب آچکی ہے اسے کیونکر چھپایا جا سکتا ہے مثال کے طور پر سوچئے، نواسہ رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے عظیم ساتھیوں نے کسی ایسے شخص کا جو سانحہ کربلا سے تقریباً چودہ صدیاں بعد پیدا ہوا، کیا بگاڑا ہے۔ مگر چونکہ حضور پر نور ﷺ کو اپنے نواسہ کریم رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی لہذا منافق کیلئے ضروری بلکہ شرطِ توحید ہے کہ حضرت امامِ پاک سے بغض رکھے اور ان کے دشمن اور منکر و مخالف سے پیار رکھے۔ چنانچہ یزید سے پیار کرنا اس کی فکری و فطری مجبوری بن گیا ہے یزید محبوب ٹھہرا تو اس کا جنتی ہونا بھی ضروری ہو گیا، لہذا اس کے جنتی ہونے کیلئے کسی روایت کا تلاش کرنا مصلحت کا تقاضا تھا۔ لیجئے وہ سہارا بھی مل گیا، بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جو قیصر کے شہر میں سب سے پہلے جہاد کریں گے، بخشے جائیں گے اور ان کیلئے جنت واجب ہو جائے گی۔ یہ پیشگوئی علم غیبِ رسول ﷺ پر مبنی ہے جس کا انکار منافق شرک سے بچنے کیلئے ہمیشہ کرتا رہا ہے۔ مگر اب 'یزید' کو جنتی ثابت کرنے کیلئے یہ زہر بھی پینا پڑا، لہذا اتنا علم غیب مان لینے میں جس سے یزید کا بیڑا پار ہو جائے، آخر کیا حرج ہے۔ مگر 'یزید کا بیڑا پار کیونکر ہو، قدرت کو اپنے حبیب پاک ﷺ کا پاس ہے، بغض رکھنے والوں کا نہیں، ذرا سی تحقیق سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یزید نہ تو اولین لشکر میں تھا اور نہ اس نے قسطنطنیہ میں اولین جہاد کیا بلکہ حضور پر نور ﷺ نے جب یہ ارشاد فرمایا، اس وقت حمص شہر قیصر تھا۔ اور قسطنطنیہ ابھی آباد نہیں ہوا تھا اور حمص کی فتح ۱۶ھ کے لگ بھگ ہوئی جب یزید پلید محض تین چار

سال کا تھا۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے، حضرت امام حسین کی حقانیت) قابل غور یہ بات ہے کہ یزید کو بخشوانے کیلئے اتنے پاپڑ بیلے گئے، آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاتل اور باغ رسالت کو اجاڑنے والا ہے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے عداوت کیوں جنہوں نے تاریخ انسانیت کی بے مثال قربانی دے کر اسلام کی حفاظت کا حق ادا کیا، محض اس لئے کہ وہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بلکہ خدا کے بھی محبوب ہیں۔ اب اگر ان کی شان میں احادیث کی اچھی خاصی تعداد صحاحِ ستہ کے اندر بھی موجود ہے، تو ہوا کرے، اہل بغض تو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ ہیں۔ تاہم جو اندھے نہیں اور خدا کے فضل سے ایمان و آگہی سے محروم نہیں، انہیں منافق کے فکرو عمل کا یہ پہلو تو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جس یزید پلید کی حمایت میں ایک روایت بھی نہیں، منافق اسے جنتی ثابت کرنے کیلئے کیا دور کی کوڑی لایا اور وہ امامِ پاک جن کے فضائل و مناقب قرآنِ پاک اور حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہیں، منافق نے ان سے کیوں منہ پھیرا۔

منافقین کی ایک نہیں کئی قسمیں ہیں، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے چڑنے والے، بعض اہل بیت اطہار رضی اللہ عنھم سے عداوت رکھنے والے، مگر سب سے فکری بنیاد بغضِ رسول مقبول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے ارشاداتِ حبیب خدا علیہ التحیہ والثناء۔

۱۔ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ (ترمذی)

ترجمہ: جو ان سے (یعنی اصحابِ کرام رضی اللہ عنھم سے) محبت کرتا ہے تو مجھ سے محبت رکھنے کے باعث محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو مجھ سے بغض رکھنے کے باعث ان سے بغض رکھتا ہے۔

۲۔ اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِعْمَۃٍ وَ اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَ اَحِبُّوْا اَھْلَ

يَبْتِي لِحُبِّي (ترمذی) ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے بھی محبت رکھو۔

اب جب خود حضور پر نور ﷺ منکرینِ صحابہ اور دشمنانِ اہل بیت کے بغض رسول کی گواہی دے رہے ہیں، مزید کس شہادت کی ضرورت رہ گئی۔ یعنی حضور ﷺ فرمارہے ہیں جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے دشمن ہیں، ان کی دشمنی خدا و رسول کے ارشادات وہدایات نہ ماننے کے سبب سے نہیں بلکہ محض اس لئے ہے کہ ان کے سینے بغض رسول (ﷺ) کی وجہ سے تاریک ہو چکے ہیں اور یونہی اہل بیت سے کدورت رکھنے والوں کی کوئی علمی بنیاد نہیں بلکہ اسی لئے ہے کہ وہ حضور پر نور ﷺ سے بھی صاف نہیں، یہی حال حضور پر نور ﷺ کے والدین کریمین سے بغض رکھنے والوں کا ہے، منافق کو ان کے ایمان کا بھی انکار ہے، کیونکہ اس کے نزدیک ایذائے رسول ﷺ ایذائے خدا اور لعنت کا سبب نہیں بلکہ پختگیِ توحید کا سبب ہے (کھل کر کہے یا نہ کہے، کہ کھل کر کہنا بھی آدابِ منافقت کے خلاف ہے) حضور نبی کریم ﷺ کو یقیناً اپنے والدین کریمین (صلی اللہ علی ابنھما وعلیھما وبارک وسلم) کی توہین وگستاخی سے تکلیف ہوتی، لہذا منافق کی فطرت نے اسی کو دانستہ یا نادانستہ اپنا دین وایمان بنا لیا۔ اب جب دین و ایمان ہی بنا لیا ہے تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا، کوئی نہ کوئی ایسی آیت و روایت بھی مل جائے گی، جس کے ذریعے اسے دھوکا دینے میں آسانی ہو جائے۔ ایسی آیت وروایت کا اصل مفہوم اور پس منظر کیا ہے، منافق کو اس سے سروکار نہیں جب اس کا مقصد ہی فریب دہی، وسوسہ انگیزی اور فساد آفرینی ہے تو اس کو چھان بین کرنے کی کیا پڑی۔ یہ اس کی چھان بین کا نتیجہ ہی تو ہے کہ ایک غلط اور

گستاخانہ عقیدے سے مسلمانوں کا ذہن مسموم کرنے کیلئے اسے بزعم خویش ایک مضبوط بنیاد مل گئی۔

منکرین ایمان والدین کی بہانہ سازیاں: آیئے پہلے حضور پرنور ﷺ کے والدین کریمین علیٰ ابنہما و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کا انکار کرنے کیلئے منافق کی بہانہ سازیوں کا جائزہ لیں اور اس کے مضبوط استدلال کا پوسٹ مارٹم کرلیں۔ قرآنِ پاک اور احادیث شریفہ کے حوالے سے منکرین کے پاس صرف چند دلائل ہیں۔

ا۔ جہاں تک قرآنی دلائل کا تعلق ہے، قرآنی عبارت سے نہیں بلکہ شان نزول کے سلسلے میں بعض تفاسیر میں منقول بعض ضعیف روایات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ آیت کا شانِ نزول یوں نہیں تو دلیل خود بخود ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً ایک روایت کا آخری حصہ یوں بیان کیا جاتا ہے۔ اِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّيْ فَاَذِنَ لِيْ وَ اسْتَأْذَنْتُهٗ بِالْاِسْتِغْفَارِ فَلَمْ يَأْذَنْ وَ نَزَلَ ترجمہ: یعنی میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مل گئی اور اس سے دعائے بخشش کی اجازت مانگی تو نہ ملی، اور یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى! ترجمہ: نبی کیلئے شایاں ہے نہ اہل ایمان کیلئے کہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں اگرچہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں۔

اس سلسلے میں گذارش یہ ہے کہ حقیقت میں آیت کا یہ شانِ نزول ہی نہیں، احمد، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی وغیرہ کی روایات کے مطابق آیت کے شانِ نزول کا حضور پرنور ﷺ کے والدین سے کوئی تعلق نہیں۔ ظاہر ہے آیت کے الفاظ تو مشرکین کے بارے میں استغفار

کو نا جائز بتا رہے ہیں، آجا کے شان نزول کی ایک روایت سے فائدہ اٹھایا جا رہا تھا مگر جب اسے بھی محققین غیر معتبر مان رہے ہیں تو بات ختم ہو گئی۔ شان نزول سے ہٹ کر باقی روایت پر غور کرتے ہیں تو حضور پر نور ﷺ کی والدہ ماجدہ علیھا الرضوان کا ایمان بالکل واضح ہو جاتا ہے، اس لئے کہ قرآنِ پاک کی تصریح کے مطابق کافر و مشرک و منافق کی قبر پر کھڑا ہونے کی (اور یوں زیارت کرنے کی) قطعاً اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ (التوبہ)

ترجمہ : (اے محبوب ﷺ) اور ان میں کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔

تو صاف ظاہر ہے اگر خدانخواستہ حضور پر نور ﷺ کی والدہ ماجدہ مومنہ نہ ہوتیں تو ان کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی نہ ملتی۔ زیارتِ قبر کی اجازت واضح کر رہی ہے کہ صاحبِ قبر یقیناً صاحبِ ایمان ہے۔ رہ گیا استغفار کی اجازت کا نہ ملنا تو کفر و شرک کے علاوہ اس کے دوسرے سبب بھی تو ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ نمازِ جنازہ ہی دیکھ لیجئے، بالغ کیلئے دعا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ (یعنی اللہ بخشش فرما) سے شروع ہوتی ہے مگر نابالغ کیلئے دعا میں یوں کہنے کا حکم نہیں بلکہ دعا ہوتی ہے تو اس کو ہمارا شفیع بنانے کی دعا ہوتی ہے۔ معاذ اللہ کیا یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ بچے کیلئے چونکہ استغفار کی اجازت نہیں دی جاتی لہذا وہ مشرک اور جہنمی ہے۔ نہیں بچے کے بارے میں تو اس طرح سوچا بھی نہیں جا سکتا، کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے مُستفاد ہوتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان، کافروں کے بچے بھی دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ ان کیلئے بخشش اس لئے نہیں مانگی جاتی کہ وہ پہلے ہی بخشے ہوئے ہیں اور بخشش کی دعا مانگنے سے گویا ان کی بخشش کا نظریہ مشکوک ٹھہرتا

ہے۔ چھوٹے بچے تو دوسروں کیلئے ذُخر، فرط، شافع اور مُشفَّع ہوتے ہیں (جیسا کہ ان کے جنازے کی دعا سے واضح ہے) لہذا ایسی دعا مانگی جاتی ہے جس سے ان کی یہ شان واضح ہوتی ہو۔ کیا اسی قسم کی صورتِ حال حضور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں نہیں سمجھی جا سکتی۔ یعنی ان کیلئے استغفار کی اجازت اس لئے نہ ملی کہ کسی کو ان کے مکلّف اور معاذ اللہ عاصی و خاطی ہونے کا وہم نہ پیدا ہو جائے اور خداوند کریم کا منشا یہ ہو کہ جس سعید ترین جوڑے کا نورِ نظر سیدُ المعصومین ہے (ﷺ) اسکا خود بھی جرم و خطا سے بہر حال محفوظ ہونا مسلّم رہے (سوچئے بات کیا تھی اور منافق کے ذہن نے اسے کہاں پہنچا دیا)

۲۔ حضرت سیدنا عبد اللہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہما کے ایمان کا انکار کرنے کیلئے درج ذیل آیت پیش کی جاتی ہے۔

وَ لَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَ ہُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا (النسآء....۱۸) ترجمہ: اور وہ توبہ اُن کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں، ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مخالفین کے نزدیک حضور پر نور ﷺ کے والدین کو قبر میں زندہ کر کے انہیں کلمہ پڑھانا اس لئے بے سود ہے کہ ان کے نزدیک جن کا خاتمہ کفر پر ہو، ان کی توبہ تو موت کے وقت بھی قبول نہیں ہوتی، چہ جائیکہ مرنے کے بعد۔ حالانکہ اس طرح زندہ کر کے انہیں کلمہ پڑھانا خود منکرین کے نزدیک بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (تفصیل دیکھئے نورُ العینین فی ایمانِ آباءِ سیدِ الکونین،

مصنف علامہ الحاج محمد علی مرحوم ص ۸۷) حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی دلآزاری کرنے والے رحمتِ خداوندی سے دور ہو جاتے ہیں اور یوں ان کی عقل و فہم بھی بے نور و ویران ہو جاتی ہے اس لئے وہ سیدھی سادی بات کو بھی نہیں سمجھ پاتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایک مفسر نے بھی اس آیت کو حضور پر نور ﷺ کے والدین پر چسپاں نہیں کیا بلکہ وہ تمام لوگ بھی بلکہ وہ جو زمانہ فترت میں فوت ہوئے اس کا مصداق نہیں ہو سکتے (جیسا کہ تفاسیر سے ظاہر ہے) اس آیت کے مطابق صرف اتنی بات ہے کہ کفر پر مرنے والا نزع کے عالم میں ایمان لائے تو قبول نہیں اور یہاں بات کفر پر مرنے والوں کی نہیں ہو رہی بلکہ ایمان پر کم از کم عقیدہ توحید پر مرنے والوں کی ہو رہی ہے جو توحید کے سوا تفصیلی عقائد اسلام کے مکلف ہی نہیں تھے۔ الحمد للہ یہ بات روزِ روشن کی طرح صاف کر دی جائے گی کہ حضور ہادی اعظم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے اور انہیں قبروں میں زندہ کرنا مسلمان بنانے کے لئے نہیں تھا بلکہ شرفِ صحابیت بخشنے کیلئے تھا۔ اس کی ایک حکمت آخر میں بیان کی جائے گی۔

اس سلسلے میں تیسری آیت پیش کی جاتی ہے، درج ذیل ہے۔

۳۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (البقرۃ، ۱۱۹) ترجمہ: بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہیں ہو گا۔

غلط فہمی کی بنیاد تفسیر ابن کثیر کی متعلقہ عبارت ہے ورنہ اس میں ایمانِ والدین کے مسئلے کا بظاہر کوئی ذکر نہیں اور شبہ بھی اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لا تُسْئَلُ کو لَا تَسْئَلْ پڑھا جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ "اَیْنَ اَبَوَایَ" فَنَزَلَتْ۔۔۔۔

ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے ایک دن فرمایا "میرے ماں باپ (وفات کے بعد) کہاں ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی (یعنی بے شک ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارے میں مت پوچھ)

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے "مَسَالِكُ الْحُنَفَا فِیْ وَالِدَی الْمُصْطَفٰی" میں اس کا جواب تفصیل سے دیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل یہ حدیث کسی معتبر کتابِ حدیث میں موجود نہیں لہذا ہرگز حجت نہیں ہو سکتی۔ نیز سورۃ البقرہ مدنی ہے اور اس کی آیت نمبر ۴۰ سے آیت نمبر ۱۲۰ تک بنی اسرائیل کے بارے میں ہے اور یہ آیت نمبر ۱۱۹ ہے۔ لہذا اس میں جس عذاب کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل سے متعلق ہے۔ تیسرے "جحیم" دوزخ کے سات طبقوں میں سے چھٹے کا نام ہے، اس سے سخت تر صرف ایک ہے یعنی ساتواں (جس کا نام ہاویہ ہے) معتبر روایات کے مطابق ابو جہل اپنی شدتِ کفر کے سبب جحیم میں ہو گا۔ اب ایسا کافر بھی جس نے زمانہ بعثت پا کر اسلام کی شدید ترین مخالفت کی جحیم کا مستحق ہو تو وہ لوگ جو زمانہ فترت میں تھے۔ اس عذاب سے دوچار کیوں ہو سکتے ہیں۔ (حالانکہ قرآن پاک کی متعدد آیات کی رو سے وہ مستحق عذاب ہی نہیں) چوتھی بات یہ کہ آیت کا یہ شانِ نزول اس صورت میں ممکن تھا جب لَا تَسْئَلْ (یعنی مت سوال کر) ہوتا، مگر قرآن پاک میں تو لَا تُسْئَلُ (یعنی تجھ سے نہیں پوچھا جائے گا) ہے۔ آیت کے الفاظ میں حضور پرنور ﷺ کیلئے یہ تسلی ہے کہ قیامت کے دن اسلام قبول نہ کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال نہیں ہوگا، وہ اگر دوزخ میں کودنا چاہتے ہیں تو شوق سے کودیں، محبوب اکرم ﷺ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ سب سے آخری بات یہ ہے کہ علامہ ابن جریر جن کا حوالہ

علامہ ابن کثیر نے دیا ہے، خود اپنی تفسیر میں (ابن جریر) لَاتُسْئَلُ کو لَاتَسْئَلْ پر ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی: وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

انہوں نے مذکورہ روایت (جو سوال میں ہے) کرنے کے باوجود اپنا فیصلہ اس کے خلاف دیا ہے اور لَاتُسْئَلُ ہی کا ساتھ دیا ہے۔

والدین کریمین ہی نہیں، بلکہ یاد رہنا چاہیئے کہ اہلِ محبت کے نزدیک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مومن و موحد تھے، ان میں کسی ایک کو بھی مشرک و ملحد نہیں کہا جاسکتا۔ (رضی اللہ عنہم) اس ضمن میں ایک شبہ وارد کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سیدنا خلیل علیہ السلام کا باپ "آزر" مشرک تھا یہ قاعدہ کلیہ مضبوط نہیں، آزر کے مشرک ہونے پر لیجئے قرآنی گواہی،

۴۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الانعام۔ ۷۵) ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو، بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

ہماری گذارش یہ ہے کہ "اَبٌ" کا لفظ باپ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے ، دادا کیلئے بھی اور چچا کیلئے بھی، چنانچہ یہاں بھی "چچا" ہی مراد ہے، ورنہ آپ کے والد ماجد کا نام "تارخ" تھا اور وہ مومنِ کامل و موحدِ صادق تھے۔ اس کی ایک قرآنی دلیل یہ ہے کہ کافر و مشرک کیلئے اِستغفار کی اجازت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا کے وعدہ ایمان کی وجہ سے اس کیلئے استغفار کرتے رہے، مگر جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو اس کی ایک چنگاری سے وہ کافر ہونے کی حالت میں بھسم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے اس کے خاتمہ بالکفر کی وجہ سے اس کیلئے استغفار چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ تو آپ کی ہجرت سے پہلے کا ہے۔ پھر کئی

ملکوں کی سیر کرنے کے بعد جب آپ نے حرمِ کعبہ کی تعمیر فرمائی تو اس وقت اپنے والدِ ماجد کیلئے یوں استغفار کیا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (سورۃ ابراھیم)

ترجمہ: اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

مختصر یہ کہ جس کیلئے استغفار ترک کیا وہ آپ کا اب (چچا آزر) تھا اور جن کیلئے آخر تک استغفار کرتے رہے، وہ آپ کے والد گرامی حضرت تارخ تھے۔ یہی نقطۂ نظر حضرتِ عبدُاللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حدیث کی رو سے شکوک و شبہات

☆☆☆

پہلا شبہ : حدیثِ پاک میں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ اَبِیْ قَالَ فِی النَّارِ فَلَمَّا قَفَا دَعَاہُ فَقَالَ اَبِیْ وَ اَبَاکَ فِی النَّارِ (مسلم شریف تذکرۃ باب من مات علی لکفر فھو فی النار)۔ ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے، فرمایا آگ میں، جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بُلا کر فرمایا، میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب حضور ہادی اعظم ﷺ نے خود اپنے والد ماجد کے بارے میں یہ کچھ فرمادیا ہے تو مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہنی چاہئے۔

ازالہ : حضرت امام سیوطی قُدس سرہ نے اس کا جو جواب اپنی تصنیفِ لطیف مسالک الحنفا میں دیا ہے، اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ آپ فرماتے ہیں حدیث کے آخری الفاظ اَبِیْ وَ اَبَاکَ فِی النَّارِ (یعنی میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں) پر سب راوی متفق نہیں ہیں۔ مسلم میں یہی الفاظ ہیں جو حماد بن سلمہ نے ثابت سے اور انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کئے ہیں مگر جناب معمر نے انہیں حضرت ثابت سے (اور انہوں نے حضرت انس سے) جو الفاظ روایت کئے ہیں، وہ مختلف ہیں۔ اس دوسری روایت کے مطابق حضور پر نور ﷺ نے ان (الفاظ) کے بجائے فرمایا۔ اِذَا مَرَرْتَ بِقَبْرِ کَافِرٍ فَبَشِّرْہُ بِالنَّارِ. ترجمہ : جب تُو کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے دوزخ کی بشارت دینا۔

چونکہ حماد کا حافظہ بہت کمزور تھا اسی لئے ان سے روایتِ الفاظ میں بے احتیاطی ہو

جاتی تھی حتی کہ اسی لئے امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی، امام مسلم بھی اکثر احتیاط برتتے تھے، ان کے برعکس ان کے استاد بھائی حضرت معمر پر حفظ کے سلسلے میں کوئی جرح نہیں کی گئی اور نہ ان سے منکر احادیث مروی ہوئیں نیز بخاری و مسلم دونوں ان کی احادیث لیتے ہیں۔ یونہی امام بزاز، طبرانی اور بیہقی نے بواسطہ ابراہیم بن سعد عن الزہری عن عامر بن سعد ابیہ، حضرت سعد بن ابی وقاص سے ایک ایسی ہی روایت نقل کی اور ابن ماجہ نے بطریق ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سالم عن ابیہ جو حدیث بیان کی ہے اس میں بھی الفاظ دوسری روایت (اِذَا مَرَرْتَ ....) کے مطابق ہیں۔ لہذا مسلم کی روایت کمزور ہے اور پایہ اعتبار سے ساقط۔

<u>دوسرا شبہ</u>: عن علی بن الحکم عن عثمان بن عمیر عن ابی وائل عن ابن مسعود روایت ہے کہ ملیکہ (نامی عورت) کے دو بیٹوں نے جو انصار میں سے تھے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! ہماری والدہ اپنے خاوند کی فرمانبردار اور مہمان نواز تھی۔ اس کا انتقال دورِ جاہلیت میں ہوا، سو وہ (اب) کہاں ہے؟ فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے، ان کو یہ بات ناگوار گزری، وہ اٹھ کر چل دیئے تو حضور ﷺ نے انہیں بلوایا وہ واپس آئے تو فرمایا اِنَّ اُمِّیْ مَعَ اُمِّکُمَا یعنی بیشک میری ماں بھی تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔ ایک منافق بولا، یہ شخص بھی اپنی ماں کے کام نہ آسکا جیسے ملیکہ کے بیٹے اپنی ماں کے کام نہ آسکے۔ پھر بھی ہم اس کے پیروکار ہیں (یعنی ایسے پیغمبر کی اطاعت کا کیا فائدہ جو اپنی ماں تک کو بخشوا نہ سکے) تو ایک انصاری نوجوان جو میرے نزدیک حضور اکرم سے سب سے زیادہ سوال کیا کرتا تھا، کہنے لگا "یارسول اللہ! آپ کے والدین (معاذاللہ) دوزخ میں ہیں؟ فرمایا، میں ان کے بارے میں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا، وہ مجھے

عطا فرمائے گا اور میں اس دن مقام محمود پر کھڑا ہوں گا، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے،

ازالہ : فنِ حدیث کے کسی طالب علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ جس حدیث کو صرف حاکم (صاحبِ المستدرک) صحیح کہیں، اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ ضعیف و منقطع روایات کو صحیح کہنے میں وہ بہت فراخدل واقع ہوئے ہیں۔ یہاں بھی صورتِ حال مختلف نہیں ہے۔ سند میں آپ نے ایک راوی دیکھا عثمان بن عمیر، یہ شخص ازحد ضعیف بلکہ منکر الحدیث ہے، بعض نے اسے غالی شیعہ تک کہہ دیا ہے خود امام حاکم نے دار قطنی سے بیان کیا کہ یہ ٹیڑھا ہے اس کی باتیں قابلِ حجت نہیں ہوتیں (زَائِغٌ لَمْ یُحْتَجَّ بِہٖ) تفصیل دیکھئے نور العینین از مولانا الحاج محمد علی، تہذیب التہذیب ج ۷)

تیسرا شبہ : امام سیوطی علیہ الرحمہ نے مسالک الحنفاء میں ایک روایت درج کی ہے اور پھر اس کا جواب بھی دیا ہے، روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی والدہ کیلئے استغفار کیا تو جبریل نے آپ کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا، اس آدمی کیلئے آپ بخشش کی دعا نہ مانگیں جو مشرک ہو کر فوت ہوا ہو۔

ازالہ : یہ روایت محدث بزاز لائے ہیں مگر اس کی سند میں کچھ ایسے راوی بھی ہیں جو مجہول ہیں۔ لہٰذا قطعاً قابلِ التفات نہیں (مسالک الحنفاء از علامہ سیوطیؒ)

نوٹ : حضرت جبریل علیہ السلام جیسے "ادب آشنا سے" جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں بے اجازت نہیں آتے اور آئیں تو دو زانو بیٹھیں، اس قسم کی حرکت درایت کے بھی خلاف ہے۔

بے اجازت ان کے گھر میں جبرئیل آتے نہیں
آنکھ والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلِ بیت

چوتھاشبہ .اس ضمن میں وہ حدیث بھی امام بیہقی نے دلائلُ النّبوۃ میں درج کی ہے اور اس سے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ حدیثِ پاک کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"خبر دی ہمیں علی بن عبدان نے، انہیں ابن ابی مریم نے، انہیں ابن نافع بن یزید نے، انہیں ابو عبد الرحمٰن الحُبُلی نے، انہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ ہم نے حضور ﷺ کی معیت میں ایک آدمی کو دفنایا۔ واپسی پر جب ہم اس کے گھر کے پاس سے گزر رہے تھے، اچانک حضور ﷺ کے سامنے ایک خاتون آئیں۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ اسے پہچانتے ہوں گے۔ سو آپ نے ان سے پوچھا یَا فَاطِمَةُ مِنْ اَیْنَ جِئْتِ (اے فاطمہ کہاں سے آئی ہو) عرض کیا اس میت کے اہل خانہ سے تعزیت کر کے آرہی ہوں۔ فرمایا شاید! تم ان کے ساتھ کدٰی (کے قبرستان) تک بھی گئی ہو؟ بولیں اللہ کی پناہ کہ ان کے ساتھ کدٰی جاؤں جبکہ میں نے آپ سے اس کی ممانعت سن رکھی ہے فرمایا۔ لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى مَا رَاَیْتِ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَرَاهَا جَدُّ اَبِیكِ

ترجمہ: اگر تم ان کے ساتھ کدٰی تک جاتیں تو اپنے والد کے دادے (یعنی حضرت عبد المطلب) سے پہلے جنت نہ دیکھ سکتیں۔

اسی آخری جملے سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضرت عبد المطلب تو کبھی جنت میں (معاذاللہ) نہیں جائیں گے کیونکہ ان کا خاتمہ (معاذاللہ) کفر و بت پرستی پر ہوا تھا اور سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو یہ وعید سنائی جارہی ہے کہ (معاذاللہ) ان کو جنت سے محروم کردیا جاتا۔

ازالہ: اگر اس وعید پر غور کریں تو نتیجہ کچھ اور نکلتا ہے یعنی جناب عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی مغفرت و ایمان کا۔ صاف ظاہر ہے کہ کدٰی کے قبرستان میں

جانا منع ہونے کے باوجود کفر و شرک نہیں جس سے جنت میں داخلہ بند ہو سکے، آجا کے گناہ ہے اور محض گناہ کا یہ انجام نہیں کہ کوئی ہمیشہ کیلئے دوزخی بن جائے۔ تنبیہ کا مطلب تو نکلتا ہے کہ حضور سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اپنے خصوصی درجے کے مطابق جنت میں پہلے نہ جاتیں بلکہ کچھ دیر کے بعد حضرت عبدالمطلب کے جانے کی باری آتی، تو آپ کو بھی جنت میں داخلہ مل جاتا۔ حدیث کے الفاظ کسی طور بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتے کہ حضرت عبدالمطلب کی بخشش نہیں ہو گی۔

تاہم حدیث کو پرکھنے کا انداز محدثین کی جرح و قدح بھی تو ہے۔ اس پیمانے پر دیکھیں تو روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی ربیعہ سخت ضعیف ہے۔ میزانُ الاِعتدال میں اس کے بارے میں یہ حکم ہے۔

هُوَ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ ، عِنْدَهُ مَنَا كِيرُ.

ترجمہ : وہ ضعیف الحدیث ہے، وہ منکر حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔

علاوہ ازیں، حدیث کی عبارت کا لفظ لفظ اس کے موضوع ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ بات بات پر اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے) کی تکرار کرنے والے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے توقع نہیں کہ اس حد تک غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ آپ نے اپنی صاحبزادی تک کو نہیں پہچانا۔ اور پھر حضور پرنور ﷺ کے ساتھ اس قسم کے الفاظ کا منسوب کرنا لَعَلَّكِ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدٰى (شاید تم ان کے ساتھ کدای تک گئی ہو گی) خواہ مخواہ اس قسم کی بدظنی تو حضورِ پرُنور ﷺ نے اپنی امت کے حق میں بھی پسند نہیں فرمائی (یعنی اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ کوئی مسلمان کسی بھی مسلمان کیلئے اس قسم کی بدظنی کا شکار ہو، چہ جائیکہ خود حضور خیر الوریٰ ﷺ، یہ انداز اختیار فرمائیں اور فرمائیں بھی اپنی لختِ

جگر کے بارے میں جو خیر النساء ہیں)۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے والدین کریمین اور جملہ آباؤ اجداد رضی اللہ عنہم کے ایمان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کے پاس زیادہ تر یہی دلائل ہیں جن کا مختصر الفاظ میں جواب آپ نے ملاحظہ کرلیا اس عنوان پر آپ نے دیکھ لیا قرآن پاک کے نام سے جو وسوسے پیدا کئے گئے ہیں ان کا ماخذ الفاظ و آیاتِ قرآنیہ نہیں بلکہ شانِ نزول کی ضعیف ترین روایات (اور ضعیف روایتوں سے محدثین کے فیصلے کے مطابق کسی انسان یا عمل کی فضیلت تو ثابت کی جا سکتی ہے، کفر نہیں) احادیثِ شریفہ کے حوالوں سے جو شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے ہیں ان کا پوسٹ مارٹم بھی ہو چکا ہے۔ یہ ہے مخالفین و منکرین کا اسلحہ و بارود جس کے زور پر جانِ ایمان، اصل ایمان اور وجہ ایمان حضور سید انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ جملہ آباؤ اجداد رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن کو کوئی صاحب ایمان اپنے بارے میں سننا گوارا نہیں کرتا اور فوراً مضطرب ہو جاتا ہے۔ انہیں روایات پر ایک نظر پھر ڈال لیں کیا کسی ایک ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ بات آئی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسلافِ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اللہ کے سوا کسی کو خدا کہا، کسی بت کو سجدہ کیا، کسی معبودِ باطل کا طواف کیا، خدا کے سوا کسی کے نام پر قربانی کی، کسی بت کی نذر مانی، یا کسی بت سے التجا کی اور کسی سے مدد مانگی (چنانچہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی جو اہل حدیث کے جید عالم تھے، فرماتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی اخلاقی پاکیزگی اور عملی طہارت ہر کہ ومہ کے نزدیک مسلم ہے۔ باقی رہا مذہبی طور پر اعتقادی حالت سو اس کیلئے اگر کسی کے پاس کوئی ایسی شہادت موجود ہو کہ معاذ اللہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا یا اس کے نام کی نذر و قربانی چڑھائی یا کسی بت سے التجا کی تو بیشک لاوے۔ لیکن ہم کمال

وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسی شہادت کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے گی پس کسی معین پاکباز اور صالح الاعمال شخص کے متعلق اس کی بزرگی کے برخلاف کوئی ایسی رائے قائم کرنی جس کی تائید میں کوئی بھی دستاویز نہ ہو سکے ہرگز ہرگز درست نہیں) (سیرت المصطفیٰ) جب ایک بھی ایسی روایت نہیں تو یونہی وہم و گمان کا شکار ہو کے ان برگزیدگانِ خدا کو جن میں سے ہر ایک حضور نور خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نور و تجلی کی گزرگاہ بنا، معاذاللہ عدمِ ایمان سے ملوث کرنا حضور سرورِ کون و مکاں ہادی انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے۔ اسی وجہ سے قاضی ابو بکر بن عربی نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو معاذ اللہ دوزخی کہنے والے شخص کی بابت ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ اِنَّہٗ مَلْعُوْنٌ لِقَوْلِہٖ تَعَالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَ عَدَّ لَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً وَ لَا اَذٰی اَعْظَمَ مِنْ اَنْ یَّقُوْلَ اَبَوَاہُ فِی النَّارِ (زُرقانی شریف)۔ ترجمہ: (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ایسے نازیبا الفاظ کہے) بیشک وہ ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان الذین..... عذاباً مھینا یعنی بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذ دیتے ہیں، ان پر اللہ کی پھٹکار دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ نے ان کیلئے رُسوا کُن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حق میں اس سے بڑھ کر اذیت کیا ہو سکتی ہے کہ اُن کے والدین کو (معاذاللہ) ناری کہا جائے۔

اہل فترت کی نجات: علامہ علی بن بُرہان الدین حلبی اپنی سیرت حلبیہ، میں فرماتے ہیں۔ علامہ ابن حجر الہیتمی نے ذکر کیا کہ روشن حق یہ ہے جس پر کوئی گرد و غبار نہیں کہ اہل فترۃ سب کے سب نجات یافتہ ہیں اور اہل فترۃ وہ لوگ ہیں جن

کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلف بنائے۔ پس اہل عرب بنی اسرائیل کے انبیاء کے زمانہ میں بھی اہل فترۃ تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اہل عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ ان کا حلقہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔ (ضیاء النبی، ج ۲)۔ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے دین حنیف کو بدلا اور توحید کی بجائے شرک اور شرکیہ رسم و رواج کا آغاز کیا، نیز اپنی طرف سے حلال و حرام کے ضابطے مقرر کیے۔ سب لوگ عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اس پر قرآن کی متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں مثلاً

۱۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۵) ترجمہ: اور ہم عذاب کرنے والے نہیں، جب تک رسول نہ بھیج لیں (کنز الایمان)

۲۔ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى (طہٰ، ۱۳۴) ترجمہ: اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل رسوا ہوتے۔

۳۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (القصص، آیت ۶۰)۔ ترجمہ: اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کی اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب ان کے ساکن ستم گار ہوں۔

۴۔ وَمَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (الشعرآء ۲۰۸) ترجمہ: اور ہم

نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں۔

اس قسم کی بہت سی آیات اور بھی ہیں جن کا مضمون یہی ہے کہ جب تک انبیاو مرسلین علیہم السلام کے ذریعے اتمامِ حجت نہ کیا جائے، انسانوں کو عذاب نہیں دیا جائیگا۔ ایسے لوگ جو دورِ فترت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں، معزور ہیں۔ ہاں مکلّف ہیں تو صرف توحید کے۔ بلکہ ان آیات سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ توحید کے بھی مکلّف بھی نہیں۔ اہل تحقیق کے نزدیک اہل فترۃ (یعنی جن کی طرف کوئی نبی مبعوث ہوئے نہ جن تک کسی گذشتہ پیغمبر کی تعلیمات اصل شکل میں پہنچیں) تین قسم کے ہیں۔

۱۔ پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنے نورِ بصیرت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے عقیدے تک رسائی حاصل کرلی جیسے قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل اور قوم تبع کے بعض بادشاہ۔

۲۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے دین ابراہیمی کو بگاڑا بت پرستی کا آغاز کیا۔ اپنی قوم کو بڑی کوششوں سے شرک کا فاسد عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور اپنی طرف سے حلال و حرام کے بارے میں قانون بنا کر قوم میں رائج کیے جیسے عمرو بن الخزاعی اور اس کے ہم نوا۔

۳۔ تیسرا طبقہ جو اپنی غفلت اور بے خبری کی وجہ سے ہر قسم کے عقیدے سے بے نیاز رہا نہ انہوں نے توحید خداوندی کا عقیدہ اپنایا اور نہ وہ شرک اور اصنام پرستی کے مرتکب ہوئے۔ یہ وہ طبقہ ہے جسے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کا مصداق یہی طبقہ ہے (ضیاء النبی ج ۲ نیز بہت سی دیگر مولفات)

ان تینوں طبقوں میں عذاب کا مستحق صرف دوسرا طبقہ ہے جنہوں نے

جان بوجھ کر توحید اور شعائر توحید کے بجائے شرک اور لوازمِ شرک کی ترویج اور اشاعت کی۔ تیسرا طبقہ تو عقائد کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا۔ ان کے اندر کوئی فراست تھی نہ کسی سمجھانے والے سے فیض یاب ہوئے۔ یہ بھی اوپر کی تصریح کے مطابق عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ رہ گیا اہل بصیرت کا (پہلا) طبقہ۔ یہ لوگ ہمیشہ شرک سے بیزار رہے اور دورِ فترۃ میں ہونے کے باوجود سلامتی طبع کی وجہ سے قدرتی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ لوگ اپنے دور میں روشنی کا چراغ بنے رہے اور ظلمتوں کے ہجوم میں بھی اپنی سیرت و کردار کی تجلیوں سے جگمگاتے رہے۔ حضور پر نور ﷺ کے آباؤ اجداد کا تعلق دورِ فترہ میں اسی طبقہ صالحہ سے رہا۔ چنانچہ یہ حضرات اپنے دور میں ہمیشہ شرک سے بیزار رہے اور قوم کو اپنے اپنے انداز میں اپنی اپنی طاقت کے مطابق توحید کے ساتھ عفو و کرم، جود و سخا، مہمان نوازی، ایثار و مروت، عدل و مساوات اور عفت و حیا کی تلقین کرتے رہے۔ یہ سب حضرات مکارم اخلاق سے آراستہ اور فضائل کردار سے پیراستہ تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب کو علم تھا کہ اللہ جل جلالہ کے پیغمبر اعظم و خاتم ﷺ ان کی اولاد میں سے ہوں گے اور وہ باقاعدہ یہ پیش گوئی کرتے رہے ہیں جیسا کہ معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے "نور العینین فی ایمان آباءِ سید الکونین ﷺ از علامہ الحاج محمد علی صاحب علیہ الرحمہ)

ان سب حضرات کی سیرت ہی نہیں، صورت بھی نورِ خدا کی تجلیوں سے مستنیر ہوتی تھی۔ حضور پر نور ﷺ کے ان آباؤ اجداد کی عظمت خود ارشادات رسالتماب ﷺ سے بھی واضح ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہادی اعظم ﷺ فرماتے ہیں۔

لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ.

ترجمہ: میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے بطنوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں جن سے واضح ہے کہ حضور پرنور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد جن میں سے آپ گزر کر دنیا میں جلوہ گر ہوئے سب پاک تھے اور ناپاک کون ہوتا ہے، قرآن پاک کا فیصلہ سنئے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. ترجمہ: مشرک (وکافر) تو ناپاک ہی ہوتے ہیں۔

آیت و روایت کو یکجا کرنے سے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے آباؤ اجداد و امہات میں سے ایک بھی شرک وکفر سے ملوث نہیں تھا۔ یونہی ایک حدیث پاک میں حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ فِي الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ (بخاری شریف)۔ ترجمہ: ہر قرن و طبقہ میں بنی آدم کے بہترین قرن سے بھیجا گیا ہوں۔ یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا، اور قرآن فرماتا ہے۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ. ترجمہ: بیشک مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے۔ اب اسی طرح پھر آیت و روایت کو ملاؤ تو نتیجہ یہ نکلا کہ حضور ﷺ کے آباؤ امہات یقیناً ہمیشہ اپنے اپنے دور کے بہترین و سراپا خیر لوگوں میں سے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر دور میں ایسے لوگ موجود تھے جو ایمان و حقانیت سے آراستہ تھے۔ اس کا جواب بھی حدیث پاک سے سنئے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

مَا خَلَتِ الْاَرْضُ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ مِنْ سَبْعَةٍ يَدْفَعُ اللّٰهُ بِهِمْ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ. (زرقانی علی المواهب)۔ ترجمہ: نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی ایسے سات اشخاص سے خالی نہیں ہوئی جن کے صدقے سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب نہ روکتا ہو ایک ایسا ہی ارشاد حضور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا بھی

ہے (جیسے عبد الرزاق اور ابن المنذر نے بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق تخریج کیا) جب نوح علیہ السلام کے بعد ہر دور میں کم از کم سات افراد ایسے ضرور موجود رہے ہیں جو مومن بلکہ واسطۂ دفعِ عذاب ہوں، تو بات کھل کے سامنے آگئی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ و اُمہات یقیناً اپنے اپنے دور میں ان سات میں موجود رہے ہیں۔

ایمان کے قرآنی دلائل: اس قسم کی تمام آیات و روایات کا نچوڑ یعنی حضور کے آباؤ و امہات کا ایمان ایک اور طرح بھی قرآن پاک ہی سے ثابت کیا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے، وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ. الَّذِي يَرٰكَ حِينَ تَقُومُ. وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِينَ۔ ترجمہ: بھروسا کر زبردست مہربان (خدا) پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا، سجدہ کرنیوالوں میں۔ امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا یعنی آپ کے سب آباؤ و امہات اہل اسلام و ایمان تھے۔ سب سے پر لطف بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تاویل منقول ہے (جیسا کہ تفسیر در منثور اور تفسیر روح المعانی سے ظاہر ہے) تفسیر در منثور کی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"ابن ضریر جناب قتادہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہاں ساجدین سے مراد نمازی ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے پوچھا "آپ پر میرے ماں باپ قربان، ارشاد فرمائیے، جب آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے؟ میری عرض سن کر آپ خوب ہنسے یہاں تک کہ داڑھیں نظر آنے لگیں۔ پھر فرمایا میں اس وقت ان کی پشت میں تھا۔ پھر جب وہ زمین پر اترے، میں بھی ساتھ ہی ان کی پشت میں تھا۔ اور میں اپنے باپ نوح کی پشت میں

کشتی پر سوار ہوا۔ پھر اپنے باپ ابراہیم کی پشت میں آگ میں ڈالا گیا۔ میرے ماں باپ کبھی بھی حرام کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ جو سب کے سب مصفی ومہذب تھے، جب بھی کسی سے دو شاخیں بننے لگتیں مجھے ان ... میں سے بہتر میں رکھا جاتا۔ مسالک الحنفاء میں حضرت علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی علیہما الرحمہ کے اسی مناسبت سے دو خوبصورت شعر نقل فرمائے ہیں۔

تَنَقَّلَ اَحْمَدُ نُوْرًا عَظِيْمًا تَلَأْلَأَ فِیْ جِبَاهِ السَّاجِدِيْنَا

تَقَلَّبَ فِيْهِمْ قَرْنًا فَقَرْنًا اِلٰى اَنْ جَاءَ خَيْرُ الْمُرْسَلِيْنَ

ترجمہ: حضور احمد مجتبیٰ ﷺ ایک نور عظیم کی حیثیت سے منتقل ہوتے رہے اور (خلوص دل سے بارگاہِ خداوند میں) سجدہ ریز رہنے تک آپ کا یہ انتقال (سفر) جاری رہا حتی کہ خیر المرسلین ﷺ بن کر دنیا میں تشریف لائے۔

<u>حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں</u>: اب آیئے ان آیاتِ کریمہ کی طرف جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں یا ان کے خداداد اعزازات مذکور ہیں۔ ان سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایک گروہ ہر زمانے میں ایسا ضرور ہوتا رہا ہے جو کفر و شرک سے آلودہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں صرف چند آیات ہدیہ قارئین ہیں۔

۱۔ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرۃ ۱۲۹،۱۲۸) ترجمہ: اے رب ہمارے، اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری

فرمانبردار، ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما، بیشک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے، ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے، بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا (کنزالایمان) الحمد للہ، اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں سے ایک گروہ کا اسلام پر قائم رہنا بالکل واضح ہے۔

۲۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ (سورۃ ابراھیم آیت نمبر ۴۰)۔ ترجمہ: اے میرے رب! مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو۔ اے ہمارے رب اور مری دعا سن لے۔ اس دعا کی مقبولیت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد ابراھیم کا ایک حصہ ضرور مومن اور نمازی رہے۔ (کنزالایمان)۔

۳۔ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ ترجمہ: (اور ابراھیم نے اپنے باپ یعنی چچے اور قوم سے فرمایا 'میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کہ ضرور بہت جلد مجھے راہ دے گا) اور اس کی نسل میں باقی کلام رکھا۔ اس سے اگلی آیت میں آپ نے دعا کی رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ، یعنی اے رب ہمارے مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔ اس کے تحت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہاں والدین سے مراد جناب ابراھیم کے سگے والد تارخ اور آپ کی والدہ متلی بنت کم ہیں دونوں مومن تھے کیونکہ ان کیلئے دعائے مغفرت بھی ایمان کی دلیل ہے۔

کلمہ باقیہ (باقی کلام) سے مراد مفسرین کے نزدیک توحید واخلاص یا

اسلام ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ایسے افراد ہر دور میں رہے ہیں جو سراپا توحید و اخلاص یا مجسمہ اسلام تھے۔

جب یہ بات قرآنی آیات سے ثابت ہو گئی کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جو سختی سے ایمان و اسلام پر قائم رہا ہے تو پھر حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے آباؤ اجداد کا اسی گروہ میں شامل رہنا کیا مشکل ان کے شامل ہونے کی دلیل وہ حدیثیں بھی ہیں جو ابھی اوپر گزری ہیں اور جن کا نچوڑ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔

ایک اور قابل غور نکتہ : ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین ملعونین نے ایک بے بنیاد الزام لگایا۔ خود خالقِ کائنات نے سورہ النور میں ان کی صفائی پیش کی اور پھر اس سلسلے میں مسلمانوں سے فرمایا۔

وَ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ (النور۔۱۶)۔ ترجمہ : اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں، الٰہی پاکی ہے تجھے، یہ بڑا بہتان ہے۔ یعنی اہل ایمان کو ایسی خرافات سنتے ہی کہہ دینا چاہیئے تھا۔ سبحنک ھذا بھتان عظیم. (الٰہی پاکی ہے تجھے، یہ بڑا بہتان ہے) مراد یہ ہے کہ اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں کہ اس کے رسول کی زوجہ محترمہ کا دامن کسی ایسے الزام سے آلودہ ہو دوسرے لفظوں میں توحید اور اسلام کی حقانیت کیلئے ضروری ہے کہ اللہ کے نبی کا اپنا کردار ہی مقدس نہ ہو۔ بلکہ اس کی زوجہ محترمہ کا کردار بھی ہر گھناؤنے عیب سے پاک و صاف ہونا چاہیئے۔ گویا اس پر ایسا الزام اسی صورت میں سچا ہو سکتا ہے کہ اس کا شوہر نبی نہ ہو۔ اگر کوئی شوہر منصب نبوت پر فائز ہو کہ رب قدوس کی

نمائندگی کے فرائض سرانجام دے رہا ہو تو اس کی اہلیہ کا دامن ایسی اخلاقی پستی سے پاک ہونا اتنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نبوت اور اس کا پیغام بلکہ توحید خداوندی کی دعوت بھی مشکوک ہو جائے گی۔

یاد رہے انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے بعض کی بعض ازواج شرک وکفر سے ضرور ملوث ہوئیں (جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں مگر کسی نبی کی کوئی زوجہ اخلاقی پستی سے کبھی متصف نہیں ہوئی کیونکہ زنا سے انسانی فطرت کو گھن آتی ہے اور کفر وشرک اگرچہ زیادہ ظلم ہے تاہم زِنا زیادہ قابل نفرت سمجھا گیا ہے جو عوت بدکاری کی مرتکب ہو، اس کا شوہر بھی معاشرے میں ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔ ہاں ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے بارے میں ان کے رب کریم جل مجدہ نے یہ اہتمام بھی فرمایا ہے کہ ان کی ہر زوجہ ہر قسم کی دینی ودنیوی اور فکری وعملی پستی سے پاک وبرتر ہے۔ بلکہ اس اہتمام میں مزید وسعت بھی ہے یعنی آپ کی صاجزادیوں اور صاجزادوں بلکہ دوسرے رشتوں کو بھی دنیوی واخروی فوز وفلاح سے مالامال کر دیا گیا۔ دیکھئے جب آپ کی ازواج کے بارے میں کفر وشرک کو ناممکن ٹھہرایا گیا، آپ کے والدین کریمین کے بارے میں قدرت کی فیاضی کیسی ہونی چاہئیے (رضی اللہ عنہم اجمعین) جب کہ کسی بھی پیغمبر کے والدین کفر وشرک سے ملوث نہیں کئے گئے۔

(حضرت امام سیوطی قدس سرہ نے مسالک الحنفا میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس مائیں شرک سے محفوظ رہی ہیں (جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مادران مقدسہ کے ایمان کی گواہی خصوصاً اس حدیثِ میلاد سے بھی مل جاتی ہے، جس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسی و رویا امی التی رات وکذلك امھات المومنین یرین

ترجمہ: (میں ابراھیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب (یا نظارہ) ہوں جو انھوں نے دیکھا اور یونہی تمام نبیوں کی مائیں دیکھتی رہی ہیں۔

غور فرمایئے والدہ ماجدہ علیہا الرضوان کا ذکر دو عظیم پیغمبروں کے ساتھ آیا۔ خداوند کریم نے اپنے خلیل کو دعا کا شرف بخشا تو اپنے مسیح کو بشارتِ محبوب دینے کا اور تیسرا افضل تھا 'خواب' (یا مخصوص نظارہ) اس سے حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ مشرف ہوئیں۔ کیا کوئی صحیح الدماغ کہہ سکتا ہے کہ دو مخصوص فضیلتیں دو پیغمبروں کو بخشنے کے بعد جسے تیسری فضیلت بخشی گئی ہے۔ وہ معاذ اللہ ایمان سے بھی خالی ہے۔ عقل و ایمان سے پوچھو ایسی ہستی جس کا ذکر دو پیغمبروں کے ساتھ کیا گیا ہے وہ اگر عورت ہونے کے ناطے سے نبی نہیں ہو سکتی نبی کے قریب تو ضرور ہو گی۔ یقیناً وہ 'صدیقیت' کے مقام پر فائز ہو گی۔ اسی پر قیاس کر لیں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مادران شفیق کا، اس پر آئندہ بھی کچھ بحث کی جائے گی)۔ اگر غور کیا جائے تو یہی دلیلیں ان کے آباء کرام کے ثبوت ایمان میں بھی کارگر ہو سکتی ہیں) اب اگر کوئی شخص حضور پر نور ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں نازیبا کلمہ کہتا ہے تو حضرت ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعے کی روشنی میں یہی کہہ سکتے ہیں۔

سبحنک هذا بهتان عظیم (الٰہی پاکی ہے تجھے، یہ بڑا بہتان ہے)۔

نسبت نبوت کی برکات: اب یہاں چند ایسے اشارے کیے جاتے ہیں جن سے یہ واضح ہو گا کوئی نبی علیہ السلام جہاں سے گزرے، جہاں ٹھہرے اور جن چیزوں سے چھو جائے۔ ان کی عظمت و برکت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اگر یہ نکتہ ذہن نشین ہو گیا تو پھر آسانی سے سمجھا جا سکے گا کہ وہ ارحام جو انبیائے کرام علیہم السلام کی گزرگاہِ نور بنتے رہے ہیں۔ یقیناً فضل و شرف کے بلند مقام پر فائز

ہیں۔ خصوصاً حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے آباؤ اجداد رضی اللہ عنہم کا تو کیا ہی کہنا۔

ا۔ محبوبانِ خدا کے جانور جنتی : جناب مقاتل کے بقول مروی ہے کہ حیوانات میں سے دس جنت میں داخل ہوں گے۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی، ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا، اسماعیل علیہ السلام کا دنبہ، موسیٰ علیہ السلام کی گائے، یونس علیہ السلام کی مچھلی، عزیز علیہ السلام کا گدھا، سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی، بلقیس کا ہدہد، اصحاب کہف رضی اللہ عنہم کا کتا اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ، ان تمام جانوروں کو مینڈھے کی شکل میں جنت داخل کیا جائے گا (تفسیر روح المعانی جلد پنجم)۔ سوچیے ان میں سے کونسی نسبت ایسی ہے جو نسبتِ فرزندی کے برابر ہو سکتی ہے اگر نبی بلکہ بعض ولیوں کے جانور بھی جنت میں جائیں تو انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص امام الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بلکہ آباؤ امہات کا کیا مقام ہونا چاہیے،

۲۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا : جو خلیل اللہ علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ اور ذبیح اللہ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں کے قدموں کی برکت سے صفا و مروہ کی دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شعائر اللہ میں شامل ہو گئیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (البقرۃ۔ ۱۵۸) ترجمہ: بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں (کنزالایمان)

حضرت سیدہ ہاجرہ نبی نہیں پھر بھی ان کے قدموں کی برکت کا یہ حال ہے۔ اب خود اندازہ کیجئے جہاں کسی بھی نبی علیہ السلام کے پائے مبارک لگیں ، اس کا حال کیا ہوگا اور بطن مقدس جس میں ایک عام نبی نہیں بلکہ نبی الانبیاء علیہ و علیہم السلام پورے نو ماہ تشریف فرما رہے، اس کا شرف و درجہ کیا ہونا چاہیئے۔

۳۔ حضرت ابراہیم کے قدم مبارک: جس پتھر پر لگے یعنی مقام ابراہیم اس کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے نور کو بند نہ کرتا تو اس کی روشنی سورج پر غالب ہوتی اور دوسری حدیث پاک میں ہے کہ جس دن سے ابراہیم علیہ السلام نے اس پر قدم رکھا، اس کے اوپر سے کوئی جانور نہیں گزرا اور اللہ تعالیٰ نے اسے مصلیٰ بنادیا۔ اگر خلیل اللہ علیہ السلام کے قدموں کی برکت سے پتھر کو یہ شان مل سکتی ہے تو حبیب اللہ ﷺ جس مادرِ مقدسہ کے بطن شریف میں اپنے پورے جسم اقدس کے ساتھ جلوہ گر رہے ہیں۔ اس کا مقام کیا ہونا چاہیے یونہی وہ تمام ارحام اور اصلاب جن میں سے آپ ﷺ گزر کر آئے ہیں، کیسے بلند شان ہونے چاہئیں۔

۴۔ قرآن پاک شاہد ہے: جس قمیص مبارک کو حضرت یوسف علیہ السلام سے نسبت کا شرف حاصل ہوا، اس کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی آن کی آن میں لوٹ آئی۔ اگر کپڑا ایک عظیم نبی علیہ السلام کے جسم پاک سے لگ کر سراپا شفا بن سکتا ہے، تو جس انسان میں خود ایک نبی بلکہ امام الانبیاء ﷺ کا نور ایک مدت تک چمکتا رہا، اس کی فیض رسانی اور مشکل کشائی کا کیا عالم ہونا چاہیئے۔ ایسے فیض رساں اور مشکل کشا سعید انسان کے ایمان و مغفرت میں شک کرنا جہنمی ہونے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

۵۔ طالوت کا تابوت: قرآن پاک میں ہے ان سے ان کے نبی نے فرمایا "اس کی (یعنی طالوت کی) بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور ہارون کے ترکہ کی۔ اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو (البقرہ، ۲۴۸)

تفسیر مظہری میں ہے کہ ایک روایت کے مطابق اس میں دیگر برکات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین مبارک نیز حضرت ہارون علیہ السلام کی دستار اور نعلین مبارک تھے۔ یعنی وہ اشیاء جو ان کے مبارک سروں، ہاتھوں اور قدموں کا بوسہ لیتی تھیں۔ بنی اسرائیل اس تابوت کو جہاد کے دوران آگے رکھ کر اس کے وسیلے سے فتح کی دعا کرتے اور کامیاب ہوتے۔ عمالقہ نے اس تابوت کی توہین کی اور تباہ ہو گئے۔

قابل غور پہلو یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات کی یہ تاثیر ہے اور ان کی توہین کا یہ نقصان ہے تو جس خاتون کے بطن مقدس میں خود نبی بلکہ شہنشاہِ انبیاء ﷺ تشریف فرما رہے ہوں، اس کی شان کیا ہونی چاہیئے اور اس کی توہین و بے ادبی کا وبال کیا ہونا چاہیئے۔ کاش منکرین سوچیں اور اپنی ہرزہ سرائیوں سے توبہ کریں۔

۶۔ کھجور کا ستون : حضور پر نور ﷺ مسجد نبوی میں کھجور کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تجویز سے منبر بنایا گیا تو حضور ﷺ تنے کے پاس سے گزر کر منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ کھجور کا تنا چار پانچ فٹ کی اس دوری کو برداشت نہ کر سکا اور نہایت دردناک انداز میں رونے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کے نالہ فراق سے متاثر ہوئے اور سب پر گریہ زاری طاری ہو گئی۔ حضور پر نور ﷺ نے گلے سے لگایا تو اسے سکون آگیا۔ پھر اس سے پوچھا کہ چاہے تو تجھے دنیا کے باغ میں لوٹا دیا جائے کہ مومن یہاں تیرا پھل کھائیں یا جنت میں منتقل کر دیا جائے۔ اس نے جنت کو ترجیح دی۔

خیال فرمائیے جس تنے سے چند بار جسم اقدس مس ہوا اسے عقل و شعور، تکلم و جناں یعنی سب کچھ مل گیا تو جس مادرِ محترمہ کے بطن میں جلوہ فرما

رہے، اس کا مقام کیا ہونا چاہیئے، یونہی ان تمام اصلاب وارحام کا جو نورِ حبیب کی جلوہ گاہ کا شرف پاتے رہے۔

۷۔ اجماعِ امت : حضرت قاضی عیاض جیسے عظیم محدثین نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جو حضور پرنور ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے ساتھ چھونے کا شرف حاصل کئے ہوئے ہے کعبہ مقدسہ بلکہ عرش معلی سے بھی افضل ہے۔ اگر عام زمین صرف جسم مبارک سے چھو کر کعبہ و عرش سے افضل ہو جاتی ہے تو وہ مادرِ محترمہ جس کے رحمِ مقدس میں پورا جسم مبارک متجلی رہا، کتنی عظیم و جلیل اور کیسی طاہر و مطہر ہونی چاہیئے۔ اسی پر ان تمام اصلاب و ارحام کو قیاس کیا جاسکتا ہے جن کو نطقِ نبوت نے پاک کہا ہے۔

۸۔ مدینہ شریف : حضور پرنور ﷺ یثرب کی زمین میں تشریف لائے تو وہ اَرْضُ اللّٰہِ (اللہ کی زمین)، اَلْاِیْمَان، (سراپا ایمان)، اَلْبَارَہ (تمام ترنیک)، حَسَنَۃ (نیکی وخوبی) اَلشَّافِیَہ (شفا بخش)، طَابَہ، طَیِّبَہ، طَائِبَہ، مُطَیِّبَہ (چاروں کا مفہوم پاک اور خوشبودار) قَلْبُ الْاِیْمَانِ (ایمان کا دل) اَلْمُؤْمِنَہ (ایمان والی)، اَلْمُبَارِکَہ (برکت والی)، اَلْمَحْرُوْسَہ، اَلْمَحْفُوْفَہ، اَلْمَحْفُوْظَہ (تینوں کا معنیٰ جس کی حفاظت کی گئی ہو)، مُدْخَلِ صِدْق، اَلْمَرْحُوْمَہ (جس پر رحمت کی جائے) اَلنَّاجِیَہ (نجات دینے والی بن جائے)۔

یہ فیض وکرم کی خصوصی بارشیں مدینہ منورہ کیلئے ہیں فیضانِ عام دیکھئے، محبوبِ خدا ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو ساری زمین پاک ہو گئی جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِداً طَھُوْراً (الحدیث۔ یعنی میرے لئے زمین قابل سجدہ اور پاک کردی گئی)۔ کتنے تعجب کی بات ہے جس سراپا نور ﷺ کی تشریف آوری سے ایک شہر کی زمین مومنہ بلکہ خود ایمان بن گئی بلکہ سارا فرشِ گیتی پاک بلکہ بہت

پاک ہو گیا اس کی مادرِ مقدسہ کے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا، کیا ستم ہے؟ اگر زمین کے بیجان ذروں کو یہ سب کچھ بننے کی صلاحیت مل چکی ہے، تو جس عظیم و جلیل خاتون کو مادرِ مصطفیٰ بننے کا شرف حاصل ہو، اس کی خداداد صلاحیتوں اور عظمتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے، یقیناً وہ بھی (سراپا) ایمان، مومنہ، حسنۃ، شافیہ، طاہرہ، مطیبہ، مُبارکہ، محروسہ، محفوفہ اور محفوظہ، بارہ مرحومہ اور ناجیہ ہے۔ خدارا اِن نکات پر غور فرمائیے، یہ لمحات فکر ہیں۔

حضور ﷺ کے رشتے : سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ اَبیٰ لِیْ اَنْ اَتَزَوَّجَ اَوْاُزَوِّجَ اِلاَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ (الجامعُ الصغیر از علامہ سیوطی)۔ ترجمہ : بیشک اللہ عزوجل نے میرے لئے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے یا نکاح میں دینے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے (اور جو جہنمی تھا، داماد ہونے کے شرف سے محروم کر دیا گیا) گویا جو خاتون حضور اکرم ﷺ کے نکاح میں آئی یا جس کسی کو حضور ﷺ کا داماد بننے کا شرف حاصل ہوا، جنتی ہے۔

چنانچہ ایک بار حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خوفِ خدا سے گریہ زاری فرما رہی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی، یا ام المومنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزۃ جل و علا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ ﷺ کا جوڑا بنایا۔ ام المومنین نے فرمایا۔

فَرَّجْتَ عَنِّیْ فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْكَ (شمول الاسلام بحوالہ کنز العمال)

ترجمہ : تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔

جو اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن اپنے حبیب کریم ﷺ پر اس حد تک مہربان ہے، کیا اس کی رحمتِ واسعہ سے خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ والدینِ کریمین اور اس طرح باقی آباؤ و امہات کو نظر انداز کر دیگا۔ اس نقطے کی وضاحت ایک اور طرح سے بھی کی جا سکتی

ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

مَنِ انْتَسَبَ اِلٰی تِسْعَةِ اٰبَاءٍ کُفَّارٍ یُرِیْدُ بِهِمْ عِزًّا وَّ کَرَمًا کَانَ عَاشِرُهُمْ فِی النَّارِ (مسند احمد)۔ ترجمہ: جو شخص عزت و کرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کا فر کا ذکر کرے (کہ فلاں ابنِ فلاں ابنِ فلاں کا بیٹا ہوں) ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جملوں پر غور کیجئے، چنانچہ غزوہ حنین کے موقع پر آپ نے فرمایا، اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (بخاری شریف)۔ ترجمہ: میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبد المطلب کا،

اگر حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ معاذاللہ مومن نہ ہوتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً ان کی نسبت کا اظہار نہ فرماتے۔ اور یونہی یہ نہ فرماتے کہ میں ذبیحوں کا بیٹا ہوں، اور نہ یہ فرماتے کہ میں اپنی والدہ کا خواب ہوں۔

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ. ترجمہ: (اے نوح!) یہ (کنعان) تیرے اہل سے نہیں، یہ تو ناراستی کے کام والا ہے، آیہ کریمہ نے مسلم اور کافر کا نسب قطع فرمادیا۔ اب یہاں رجز مذکور کے علاوہ ایک اور حدیث دیکھیں

نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنِ کِنَانَةَ لَا نَنْتَفِیْ مِنْ اَبِیْنَا (مسند امام احمد)

ترجمہ: ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں، ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے کافروں سے تو نسب خدا نے کاٹ دیا ہے پھر یہاں جدا نہ کرنے کا کیا مفہوم، یقیناً یہ کہ سب آباؤ اجداد اہل ایمان تھے۔

یونہی ایک طویل حدیث میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدنان رضی اللہ عنہ تک اپنی اکیس پشتوں کے نام لے کر فرمایا۔

مَا افْتَرَقَ النَّاسُ فِرْقَتَیْنِ اِلَّا جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِیْ خَیْرِهِمَا فَاُخْرِجْتُ

مِنْ بَیْنِ اَبَوَیْنِ فَلَمْ یُصِبْنِیْ شَیْءٌ مِنْ عَهْدِ الْجَاهِلِیَّةِ وَخَرَجْتُ مِنْ نِکَاحٍ وَلَمْ اَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ حَتّٰی انْتَهَیْتُ اِلٰی اَبِیْ وَ اُمِّیْ فَاَنَا خَیْرُکُمْ نَفْساً وَ خَیْرُکُمْ اَباً وَ فِیْ لَفْظٍ فَاَنَا خَیْرُکُمْ نَسَباً وَ خَیْرُکُمْ اَباً

(دلائل النبوۃ، بیھقی) ترجمہ: کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا، آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباؤ سے بہتر۔ (شمول الاسلام)

اس ارشاد عالی میں لم یصبنی من عهد الجاهلیة (یعنی عہد جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہیں پہنچی) خصوصاً قابل غور ہے۔ اس سے صرف زنا مقصود نہیں کہ اسکا ذکر آگے صراحتاً آگیا، یقیناً شرک و کفر اور جاہلیت کی دوسری باتیں ہیں۔ گویا نسب عالی ہر بد عقیدگی اور ہر بیہودگی سے جو زمانہ جاہلیت کی پہچان ہے، پاک رہا ہے۔ خدا را ٹھنڈے دل سے سوچئے، حضور پر نور ﷺ نے کس وضاحت سے یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ میرے آباؤ اجداد کی سیرت و کردار پر جاہلیت کی کسی چیز کا بھی اثر نہیں تھا۔ رحمت عالم ﷺ گویا، اپنے حوالے سے اپنے اسلاف کے تقدس کا اعلان فرما رہے ہیں، آیئے اب قرآن پاک کی نص قطعی کی طرف وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

نبی اپنی والدہ (بلکہ سارے نسب کی) طہارت کی روشن دلیل: قرآن پاک

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے میلاد شریف کے ضمن میں بتاتا ہے کہ آپ دنیا میں تشریف لائے تو لوگوں نے بن باپ پیدا ہونے کی بنا پر حضرت سیدہ مریم علیہا السلام پر زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہا۔

يَٰٓأُخْتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۔ (مریم، ۲۸)

ترجمہ: اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار (کنزالایمان)۔ قرآنِ پاک فرماتا ہے،

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا۟ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِى ٱلْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم، ۲۹)۔ ترجمہ: اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔ (کنزالایمان)

اس پر پالنے (یعنی پنگوڑے) والے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خطبہ دیا قرآن پاک فرماتا ہے، قَالَ إِنِّى عَبْدُ ٱللَّهِ ءَاتَىٰنِىَ ٱلْكِتَٰبَ وَجَعَلَنِى نَبِيًّا ۔ وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَٰنِى بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۔ وَبَرًّۢا بِوَٰلِدَتِى وَلَمْ يَجْعَلْنِى جَبَّارًا شَقِيًّا ۔ وَٱلسَّلَٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۔ ترجمہ: بچہ نے فرمایا، میں ہوں اللہ کا بندہ، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز وزکوٰۃ کی تاکید فرمائی میں جب تک جیوں، اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت ۔اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ایک ایک لفظ پر غور فرمایئے۔ قوم نے جو اعتراض کیا تھا، اس کا تعلق عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام سے تھا۔ ان کے وہم و تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بچہ بولے گا اور ماں کی صفائی دے گا۔ ہوا کیا بچے نے صفائی دی مگر سارا خطبہ اپنی شان میں ہے، ایک بات بھی حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کی سیرت و کردار کے متعلق نہیں۔

دوسرے لفظوں میں آپ نے یہ نکتہ واضح کیا کہ جس خاتون کالختِ جگر نبی اور وہ بھی صاحبِ کتاب ہو، اس کی سیرت کو مشکوک سمجھنا جہالت و سفاہت ہے۔ اگر حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کی اپنی سیرت پیش کی جاتی تو شاید الجھاؤ باقی رہتا کیونکہ ان کی سابقہ طہارتِ فکرو عمل کو خود بخوبی جانتے تھے انہیں تو تازہ واقعہ نے پریشان کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوسرا رخ اختیار فرمایا یعنی اپنی عظمت بیان فرمائی اور اسی کو والدہ کی عظمت کی دلیل ٹھہرایا اور یہ ایسی مسکت دلیل تھی کہ معترضین دم بخود رہ گئے اور مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

گویا کسی بھی نبی علیہ السلام کی والدہ کے متعلق فکرِ خود سر کوئی بھی شبہ پیدا کرے تو کسی الجھن کا شکار ہوئے بغیر یقین کرلو کہ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے ورنہ نبی کی ماں کی طہارتِ فکرو نظر اور تقدس سیرت و کردار کیلئے اتنا ہی کافی ہے اسے خدا نے اپنے کسی پیغمبر کی والدہ ہونے کا شرف بخشا ہے یاد رہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ علیہا السلام کی سیرت کا حوالہ بھی دیتے تو یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ یہ بات ہر نبی کی والدہ کیلئے نہیں بلکہ حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کی خصوصی عظمت شان ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کا اپنا زہد و عبادت اور دوسرے فضائل نبی کی ماں ہونے کے شرف کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اور اس طرح بھی اشارہ مل رہا ہے باقی عام فضائل بھی ان کو اسی لئے ملے تھے کہ نگاہِ قدرت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی حیثیت سے ان کا انتخاب کرلیا تھا۔ (یہ بات نہ ہوتی تو ضرور ان کے بہترین کردار کا حوالہ بھی کچھ نہ کچھ دیا جاتا)۔ مختصر آپ کا اپنی نبوت و سیرت کے حوالے سے اپنی عظمتِ شان بیان کرنا گویا دوٹوک اعلان تھا کہ ہر نبی کی والدہ ہر رِجس سے پاک ہوتی ہے۔

<u>خاتم الانبیا کی والدہ کی شان</u> : اگر یہ نکتہ ذہن نشین ہو چکا تو قرآن سے پوچھئے، حضرت مریم علیہا السلام کی شان کیا ہے۔ سورۃ مائدہ میں ہے۔ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ (آیت ۷۵ میں)۔ ترجمہ :اور اس کی ماں صدیقہ ہے (کنز الایمان)

صدیق کا مرتبہ نبی کے بعد ہے اور مقام نبوت کے بعد مقام صدیقیت ہی ہے۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے انبیاء کے خاتم ہیں، کی والدہ صدیقہ ہیں تو حضور پر نور ﷺ کی والدہ ماجدہ کیوں اس مقام پر فائز نہیں۔ چنانچہ گزشتہ اوراق میں بھی اس حدیث پاک کا حوالہ دے کر یہی بات ثابت کی گئی ہے یعنی جب حضور پر نور ﷺ نے خود کو ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ٹھہرایا ہے وہیں اس کے بعد آپ نے خود کو اپنی والدہ کے خواب کی تعبیر بھی فرمایا ہے۔ یہ طرزِ سخن بتا رہا ہے کہ تیسری شخصیت نبی نہیں ہو سکتی صدیقیت کے مرتبے پر ضرور فائز ہے۔

مقام نبوت اور صدیقیت میں باہم کیا امتیاز ہے، اس سلسلے میں حکیم الامہ حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ "نبی مراتبِ قدس کے اعلیٰ مرتبے میں ہیں جیسے کوئی شخص کسی کو ظاہر ظہور بہت قریب سے دیکھے۔ رب تعالیٰ نے ہمارے حضور کی صفت یوں فرمائی اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَایَرٰی (النجم، ۱۲)۔ ترجمہ : تو کیا تم ان سے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔

دوسرے صدیقین، یہ وہ لوگ ہیں جو معرفت میں حضرات انبیا کے پیچھے پیچھے ہیں جیسے کوئی کسی چیز کو دور سے دیکھے۔ (تفسیر نعیمی پ ۵،)

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ارباب مشاہدہ کا سردار لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقیت کو مشاہدے سے خصوصی نسبت ہے۔ (بلکہ غور کیجئے تو ایمان کا اہم

تقاضا ”مشاہدہ“ ہے۔ چنانچہ حدیث پاک ہے۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (ترمذی شریف)

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضور پرنور ﷺ کے انقلابی پیغام کی برکات کا کچھ اندازہ اس حدیث پاک سے بھی لگایئے۔ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ اِلَیْکُمْ لَیْسَ بِوَھْنٍ وَ لَا کَسِلٍ لِیُحْیِیَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَ یَفْتَحَ اَعْیُنًا عُمْیًا وَ یُسْمِعَ اٰذَانًا صُمًّا وَ یُقِیْمَ اَلْسِنَةً عُوْجًا حَتّٰی یُقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ. ترجمہ: بیشک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول تمہاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف و کاہلی سے پاک ہے تاکہ وہ رسول زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل اور وہ رسول کھول دے اندھی آنکھیں اور وہ رسول شنوا کردے بہرے کانوں کو اور وہ رسول سیدھی کردے ٹیڑھی زبانوں کو یہاں تک لوگ کہہ دیں کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں (الامن والعلی)

اب آیئے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مشاہدات کی طرف کہ انہوں نے اپنے نور نظر کے نور سے جو سراپا نور، نور بخش اور نظر بخش ہیں، شبِ میلاد اور صبح میلاد کیا کیا دیکھا۔ مختلف روایات جن کی فنی اہمیت اس عاجز کی دوسری تحریر ”میلاد شریف اور بعض روایات“ میں ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت سیدہ آمنہ کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دیئے گئے اور ان کے مشاہدات کا نہایت مختصر سا نچوڑ یہ ہے کہ

۱۔ انھوں نے دیکھا ولادت کے وقت جب تنہا ہیں اور پریشان ہیں تو چند دراز قامت خواتین حاضر ہوئیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آسیہ زوجہ فرعون، مریم بنت عمران، اور باقی حوریں ہیں (انہوں نے یہ بھی وضاحت کی خدمت کے لئے حاضر ہوئی ہیں)،

۲۔ انھوں نے دیکھا کہ پرندوں نے ان کے حجرے کو ڈھانپ رکھا ہے ان پرندوں کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے (ظاہر ہے یہ جنت کے پرندے تھے جنھیں سیدہ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمارہی تھیں)۔

۳۔ انہوں نے شرق سے غرب تک ساری زمین کو دیکھا۔ تین جھنڈے بھی ملاحظہ فرمائے جن میں ایک مشرق میں، دوسرا مغرب، اور تیسرا کعبے کی چھت پر نصب تھا۔

۴۔ آپ نے دیکھا کہ وقت ولادت حضور ﷺ کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا جسم مبارک پر تیل ملا ہوا تھا اور اس سے خوشبو آرہی تھی۔ آپ ختنہ شدہ تھے اور ناف بریدہ۔ تشریف لاتے ہی آپ نے بارگاہ ربَ العزت میں سجدہ کیا اور اس وقت آپ نے دونوں ہاتھ بھی آسمان کی طرف اٹھالئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کو اٹھا کر ایک (جنتی) ریشمی کپڑے میں لپیٹ لیا۔ یعنی دوسروں کا مطالعہ اور آپ کا مشاہدہ اور مشاہدہ دوسرے کے مطالعے سے کئی گنا بڑھ کر ہے دوسرے خبر تک محدود اور آپ نظر سے بہرور۔

۵۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کسی کہنے والے کو یوں کہتے بھی سنا کہ محمد ﷺ کو صفوت آدم، معرفت شیث، شجاعت نوح، حلم ابراہیم، لسان اسمٰعیل، رضائے اسحٰق، فصاحت صالح، رفعت ادریس، حکمت لقمان، بشارت یعقوب، جمال یوسف، صبر ایوب، قوت موسیٰ تسبیح یونس، جہاد یوشع، نغمہ داؤد، ہیبت سلیمان، حب دانیال، وقار الیاس، عصمت یحیٰ، قبول زکریا، زہد عیسیٰ اور علم خضر علیہم السلام عطا کردو، انھیں نبیوں اور رسولوں کے اخلاق میں غوطہ دو کیونکہ یہ اولین و آخرین کے سردار ہیں۔

ایک آواز آرہی تھی محمد ﷺ نے فتح و نصرت اور بیت اللہ کی کنجیوں

پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے ایک فرشتے کو دیکھا جس نے آپ کے کان مبارک میں کوئی بات کہی، پھر آپ کا بوسہ لے کر کہنے لگا، اے میرے حبیب محمد ﷺ آپ کو بشارت ہو کہ یقیناً آپ سب اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ پر ہی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو ختم کیا، اولین و آخرین کا کوئی علم نہیں جو آپ کو نہیں ملا۔ (مولد العروس۔ ص ۲۹۔۳۰)۔

آپ نے تین شخص دیکھے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا تھال۔ تیسرے کے ہاتھوں میں سفید ریشم تھا جو سختی سے لپیٹا گیا تھا۔ اسے بچھایا اور اس میں سے نہایت خوبصورت انگوٹھی نکالی۔ پھر وہ میری طرف آنے لگا تو تھال والے نے اسے پکڑ تھا۔ آفتابے سے سات مرتبہ انگوٹھی کو دھویا گیا۔ پھر آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک ہی مرتبہ مہر لگادی گئی۔ (الخصائص الکبری وغیرہ)

یہ نہایت مختصر سی فہرست ہے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مشاہدات کی خداوندِ کریم وقدیر جل مجدہ کے فضل سے وہ فرشتوں کو۔ حوروں کو اور جنت کی مختلف نعمتوں کو جن پر ہمارا ایمان ہے۔ اپنی چشمِ سر سے دیکھ رہی ہیں۔ قدوسیانِ فلک کی آوازیں سن رہی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے نور سے ساری زمین کو ملاحظہ فرمارہی ہیں۔ محبوب کریم ﷺ کے اکرام واحترام میں مکینان عالم بالا کے جلوس، نغمات درود اور بہجت و مسرت کے دوسرے مناظر سے لطف اندوز ہو رہی ہیں۔ صحابہ کرام بلکہ توریت وانجیل کے احبار و رہبان جس مہر نبوت کو آپ کی صداقت کی عظیم دلیل جانتے ہیں، سیدہ اس مہر کو لگتی دیکھ رہی ہیں۔ فرمایئے کیا یہ سعادتیں ان کے مرتبہ صدیقیت کی دلیل نہیں۔

ہاں ہاں اگر حضرت سیدہ مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا کو عیسیٰ

علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہونے کی حیثیت سے صدیقہ فرمایا گیا تو امام الانبیاء جن کے بشارت دینے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، ان کی والدہ مکرمہ معظّمہ کو صدیقہ سمجھنے میں کیا دقت پیش آرہی ہے۔ غور فرمایئے اگر مریم صدیقہ ہیں اور یقیناً صدیقہ ہیں تو جن کی خدمت میں دایہ بن کر حاضر ہوئی ہیں۔ وہ صدیقہ کیوں نہیں۔ لفظ مریم کے معانی ہیں لڑکی، خادمہ، عابدہ اور عابدہ ہی موزوں ترین ہے (تفسیر نعیمی) یہ ان کے اپنے زہد و تقوی کی طرف اشارہ کررہی ہے اور جس خاتون کو قدرت نے رحمۃً للعالمین اور الامین ﷺ کی والدہ کریمہ بنانا تھا اسے آمنہ کا مبارک نام دیا یعنی خود بھی امن میں اور دوسروں کے لئے بھی باعث امن وایمان۔ اگر کوئی حضور پر نور محمد ﷺ (یعنی بار بار اور بے حساب تعریف کیا گیا) مان کر آپ کے کمالات کا انکار کرتا ہے تو خود جھوٹا ہے، یونہی آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کو آمنہ کہہ کر عذاب کی بات کرتا ہے تو خود معذب اور جہنمی ہے۔

☆☆☆☆

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا خاتمہ بالخیر

☆☆☆

یہ بات عین ممکن ہے کہ ایک مدت کوئی شخص عابد وزاہد کی حیثیت سے زندگی گزارے مگر موت آئے تو خاتمہ درست نہ ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ فسق وفجور کی ظلمتوں میں زندگی گزارنے والے شخص کا خاتمہ ایمان پر ہو یعنی اس کی کوئی نیکی بارگاہ ربوبیت میں مقبول ہو جائے اور اسی کی برکت سے بگڑی بن جائے۔ اگر خاتمہ اچھا ہو گیا تو یہ کامیابی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق مومن کی پانچ عیدوں میں سے ایک عید ہے۔ عموماً نیکیوں کا صلہ خاتمہ بالخیر کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور فسق وفجور کی سزا بری موت سے پھر اس خاتمہ بالخیر کا حتمی فیصلہ ہمارے لئے مشکل ہے۔ تاہم علامات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص سجدے کی حالت میں یا مطلقاً نماز میں یا کلمہ شریف و درود شریف پڑھتے ہوئے، کفار سے جہاد کرتے ہوئے یا کسی اور نیکی کے دوران جاں بحق ہو تو اسے خاتمہ بالخیر ہی سمجھا جاتا ہے۔ عموماً صالحین کا خاتمہ یونہی ہوتا ہے۔

آئیے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے خاتمہ بالخیر کا حال دیکھیں۔ آپ اپنے لخت جگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنی کنیز حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر اپنے شوہر نامدار سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے گئی تھیں۔ مہینہ بھر وہاں ٹھہریں۔ یہود کے مختلف سر کردہ لوگوں نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو علامات سے پہچان لیا تو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بغض کو پیش نظر

رکھتے ہوئے واپسی کی تیاری کرلی۔ راستے میں ابواء کے مقام تک پہنچ گئیں تو طبیعت ناساز ہوگئی یہیں آپ کا وصال ہوگیا (دلائل النبوۃ ابو نعیم) کی روایت کے مطابق اسما بنت رھم فرماتی ہیں کہ میری والدہ اس وقت حاظر خدمت تھیں ان کا بیان ہے۔ آپ نے اپنے نور نظر کو سرھانے کھڑے دیکھا تو فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

بَارَكَ فِيكَ اللّٰهُ مِنْ غُلَامٍ — يَا بْنَ الَّذِي مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ

نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْمِنْعَامِ — فُودِيَ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامِ

بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلٍ السُّوَامِ — اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ

فَاَنْتَ مَبْعُوثٌ اِلَى الْاَنَامِ — تُبْعَثُ فِي الْحِلِّ وَ فِي الْحَرَامِ

تُبْعَثُ فِي التَّحْقِيقِ وَ لْاِسْلَامِ — دِيْنَ اَبِيكَ الْبَرِّ اِبْرَاهَامِ

فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ — اَنْ لَّا لُوَ اِلَيْهَا مَعَ الْاَقْوَامِ

یعنی اے ستھرے لڑکے! اللہ تجھ میں برکت رکھے، اے بیٹے ان کے جنھوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی، بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزو جل کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا، سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کئے گئے، اگروہ ٹھیک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نیکو کار باپ ابراہیم کا دین ہے۔ میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا۔ (ترجمہ فاضل بریلوی قدس سرہ) دیکھئے آخری وقت کے ان اشعار میں توحید خداوندی، بتوں سے بیزاری حضور پر نور ﷺ کی بعثت عامہ وتامہ اور دین ابراہیم علیہ السلام سب کا ذکر خیر ہے۔ فرمایئے ایمان اور کس چیز کا نام ہے اور خاتمہ بالخیر کسے کہتے ہیں ان اشعار کے بعد یہ بھی فرمایا۔ كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَ كُلُّ

جَدِیْدٍ بَالٍ وَ کُلٌّ کَبِیْرٍ یَعْنٰی وَاَنَا مَیِّتَةٌ وَ ذِکْرِیْ بَاقٍ وَ قَدْ تَرَکْتُ خَیْرًا وَ وَلَدْتُ طُھْرًا (مواھب اللدنیہ مع زرقانی) ترجمہ : ہر زندہ کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو، ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا ، میں کیا خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا صلی اللہ علیہ وسلم (شمول الاسلام از اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ)۔

اس موقع پر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کا نام ہی ایسی برکت والا ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کی رحمت و رافت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آج بھی کوئی غمزدہ ، ہجوم غم میں اس اسم شریف کو یاد کرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے سب غم غلط ہو گئے ہیں، بقول اعلیٰحضرت ؎

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

اور بقول حضرت علامہ اقبال ؎

دوپہر کی آگ میں وقتِ درَو دہقان پر
ہے پسینے سے نمایاں مہرِ تاباں کا اثر
جھلکیاں اُمید کی آتی ہیں چہرے پہ نظر
کاٹ لیتا ہے مگر جس وقت محنت کا ثمر
یا محمد کہہ کے اُٹھتا ہے وہ اپنے کام سے
ہائے کیا تسکین اُسے ملتی ہے تیرے نام سے

بالخصوص نزع کے عالم میں تو اس نام کی دستگیری ایک مسلّمہ حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ ایک دنیا اس کی تاثیر کی قائل اور اپنے بیگانے اس کے شاہد۔

اب جب نام پاک کے لب پہ آجانے سے دل سکون سے لبریز ہو جاتا ہے تو فرمایئے جو عظیم خاتون اس اپنے نور نظر کو نظر کے سامنے رکھ کر اس کی محبت میں ڈوب کر دنیا سے جا رہی تھی، اس کی طمانیت کا کیا عالم ہو گا۔

نامِ احمد چوں حصارے شُد حصیں
پس چہ باشد ذاتِ آں رُوح الامیں

(ترجمہ: جب حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی امن وعافیت کا ایسا مضبوط قلعہ ہے تو آپ کی ذات پاک کی کرم فرمائیوں کا کیا حال ہو گا) چنانچہ چند عربی جملے جو آپ نے اوپر ملاحظہ فرمائے ہیں یہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان کامل اور سکون واطمینان کی بہترین دلیل ہیں۔

☆

حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایمانِ کامل

(یہاں آپ کی سیرت کے چند نمایاں پہلو پیش کئے جاتے ہیں
تاکہ انصاف و تحقیق کے شائقین ان پر غور کریں)

نام نامی: شرک آلودہ ماحول جس میں لات وعزیٰ وغیرہ کی (جھوٹی) خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا اس میں آپ کا نام عبداللہ رکھا گیا یعنی اللہ کا بندہ۔ یہ محض اتفاق کی بات نہیں بلکہ قدرت کا اپنا اہتمام تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

اَحَبُّ اَسمَائِکُمْ اِلَی اللہِ عَبْدُاللہِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ (ترمذی شریف)

ترجمہ: تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

ہاں ہاں جس کے نور نظر کو عبدیت کاملہ کا تاج پہنایا گیا، اسے عبد اللہ ہی ہونا چاہیئے۔ کیا حسن اہتمام ہے باپ عبد اللہ اور بیٹا عبدہ۔

ولادت کی علامت : شیخ التفسیر علامہ ابو الصالح فیض احمد صاحب اویسی اپنی کتاب مستطاب "ابوین مصطفےٰ" میں فرماتے ہیں

' جس شب نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے والد ماجد سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش ہوئی تو اہل کتاب کو معلوم ہو گیا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت اب قریب ہے اور بعثت کے قرب کا علم ان کو اس طرح ہوا کہ جامۂ صوف جس میں حضرت سیدنا یحییٰؑ کو کافروں نے شہید کیا تھا، وہ جامۂ صوف خون آکودہ ان کے پاس تھا۔ کتب آسمانی میں یہ لکھا تھا کہ جب یہ جامہ تازہ خون سے تر ہو جائے گا اور خون کے چند قطرے زمین پر گریں گے تو یہ نبی آخر الزماں ﷺ کے والد ماجد کی پیدائش کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت سے یہ واقعہ ان کے درپیش آیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ نبی آخر الزماں ﷺ کے والد ماجد کی ولادت ہو گئی ہے اور وہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے دشمن ہو گئے ان کے قتل کے درپے ہو گئے (تاریخ الخمیس ص ۱۸۶، جلد ۱، خیر الموانس ص ۱۵۹ جلد ۲)

نورانی طلعت : حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے بھائی حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو ان کے چہرہ مبارک پر ایسا نور چمک رہا تھا جیسا کہ سورج کا نور چمکتا ہے، حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ کر فرمایا، اس بچے کی نرالی شان ہے (بالاختصار از ابوین مصطفےٰ)

ایک عظیم کرامت : محدث ابن جوزی علیہ الرحمہ بیان المیلاد النبوی میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے۔ حضرت عبد اللہ، حضرت وہب زہری (رضی اللہ عنہما)

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے نانا جان کے ساتھ شکار کے لئے جنگل میں جا نکلے تو اچانک ستر یہودیوں کا لشکر گھوڑوں پر سوار تلواریں سونتے ہوئے نمودار ہو گیا۔ ان سے حضرت وہب نے ملاقات کر کے دریافت کیا کہ کس قسم کا ارادہ ہے۔ تو یہودیوں نے کہا نَقتُلُ عَبْدَاللّٰہِ ہم عبداللہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت وہب نے پوچھا مَا ذَنبُہٗ (اس کا کیا گناہ ہے) تو یہودیوں نے کہا عبداللہ کا کوئی قصور نہیں لیکن اس کی پشت سے ایسا نبی ظاہر ہو گا جس کا دین تمام دینوں کو منسوخ کرنے والا اور جس کی ملت تمام ملتوں کو ختم کرنے والی ہو گی۔ ہم سرے سے عبداللہ ہی کو قتل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ (حضرت) محمد ﷺ کا ظہور نہ ہو۔ حضرت وہب بیان فرماتے ہیں کہ ہم ان سے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک آسمان سے ایک لشکر اترا۔ اس نے ان تمام یہودیوں کو قتل کر ڈالا۔

ایک اور واقعہ : سیدنا عبداللہ کی مہمان نوازی کی یہ شان تھی کہ ملک شام سے ایک سوار نجومیِ کامل کا فرستادہ آپ کے قتل کی غرض سے آیا کہ اس کے صلب سے وہ شخص پیدا ہو گا جو سارے مذہبوں کو مٹا دے گا اور اپنا ڈنکا بجا دے گا وہ آکر مسجد عمرہ کے قریب ٹھہرا۔ سیدنا عبداللہ بھی سیر کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ اس سوار نے پوچھا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب اس وقت کہاں ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کھجوریں اور انگور تناول فرمایئے۔ میں شہر میں جا کر دریافت کرتا ہوں وہ سوار کھانے میں مشغول ہو گیا۔ آپ شہر سے لذیذ کھانا اور نفیس پھل لے گئے۔ اس نے پوچھا کیا پتا چلا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں آپ پہلے کھانے پینے سے فارغ ہو جایئے۔ اس نے فارغ ہو کر پوچھا۔ آپ نے فرمایا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا محسن سمجھ کر کہہ بتایا کہ مجھے ایک یہودی نجومی نے دس ہزار دینار کے وعدے پر بھیجا کہ تم عبداللہ بن عبدالمطلب کے سر کا ٹکڑا لے آؤ۔ آپ نے مسکرا

کر جواب دیا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب تو میں ہی ہوں، آؤ سر اتار لو تا کہ تمہیں دس ہزار دینار مل جائیں وہ آپ کی خدمگزاری اور مہمان نوازی سے نہایت متاثر ہوا، شرمندہ ہو کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور بولا جو ایسا مہمان نواز ہو اس کی غلامی باعثِ نجات ہے، لعنت ہو اس یہودی پر اور اس کے دس ہزار دینار پر۔

نورِ حبیب خدا ﷺ کی برکات : ایک دن حضرت عبداللہ نے اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے عرض کیا جب میں بطحا کی طرف جاتا ہوں۔ ایک نور عظیم میری پشت سے ظاہر ہو کر دو حصے ہو جاتا ہے آدھا مشرق کی طرف اور آدھا مغرب کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ بعد میں وہی نور بادل کا ٹکڑا بن کر میرے سر پر سایہ کرتا ہے پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جب میں زمین پر بیٹھتا ہوں، تو زمین سے آواز آتی ہے 'اے شخص نور محمدی' تیری پشت میں جلوہ افروز ہے تجھ پر سلام۔ نیز جس خشک درخت کے پاس سے گزرتا ہوں وہ فوراً سبز ہو جاتا ہے اور مجھ پر سایہ کرتا ہے آگے بڑھتا ہوں تو سوکھ جاتا ہے۔ عبدالمطلب نے فرمایا' اے عبداللہ بشارت ہو تم کو کہ تیرے صلب سے سید رسل ہادی سبل احمد مجتبیٰ محمد ﷺ پیدا ہوں گے (ابوین مصطفیٰ) " اسی طرح مروی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب بت خانے کی طرف سے گزرتے تو آواز آتی تھی اے عبداللہ ہمارے قریب مت آؤ، اس لئے کہ تمہارے پیشانی میں نبی آخر الزماں ﷺ کا نور جلوہ افروز ہے وہی ہماری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

سخاوت و رحمت : حضرت عبداللہؓ ایک دفعہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے بازار میں تشریف لے گئے سردی میں ایک فقیر ننگے بدن پھر رہا تھا، ملتجی ہوا، یہ کمبل مجھے دے دو جب دھوپ نکلے گی واپس کر دونگا۔ آپ نے فوراً اتار کر دے دیا اور فرمایا۔

میں تمہیں خوشی اللہ تعالیٰ کے لئے دے چکا، واپس نہ کرنا۔ بعد ازاں تہمد کے سوا باقی لباس بھی اسے دے دیا۔ سائل بولا مجھے اب ضرورت نہیں ہے فرمایا کمبل تمہارے سوال پر دیا اور باقی ہم نے اپنی خوشی سے۔ (ابوین مصطفیٰ)۔

یونہی مروی ہے کہ حضرت عبد المطلب اپنے ہر بیٹے کو روزانہ ایک دینار دیا کرتے تھے دوسرے بھائی خرچ کرتے مگر حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیوہ عورتوں ، یتیم بچوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے۔ حضرت عبد المطلب نے اطلاع پا کر پوچھا تو کہا۔ "ایسی جگہ صرف کرتا ہوں جو میرے کھانے سے بہتر ہے میں احکم الحاکمین سے تجارت کر تا رہا ہوں۔ وہ مجھے اس کے بدلے میں جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا"۔ جواب سن کر حضرت عبد المطلب بہت خوش ہوئے، دعا دی اور وظیفہ دگنا کر دیا۔ مگر حضرت عبد اللہ اب بھی یہ رقم بیوائوں ، یتیموں اور مسافروں میں ہی تقسیم کرتے رہے۔ (ابوین مصطفیٰ)

نوٹ : یہ واقعات شیخ التفسیر علامہ کبیر ، مصنف شہیر اور محقق بے نظیر حضرت علامہ ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی جیسی معتبر اور ذمہ دار علمی شخصیت کی تصنیف لطیف ابوین مصطفیٰ سے لئے گئے ہیں اور ان کی علمی وجاہت پر اعتماد کر کے یہاں درج کئے گئے ہیں۔

دوسرے ذبیح اللہ : آب زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مبارک ایڑیوں کی برکت سے نکلا تھا۔ مکہ معظّمہ پر بنو جرہم کا تسلط ہوا تو عمرو بن حارث جرہمی نے چاہ زمزم کو بند کر دیا۔ کئی صدیاں بعد حضرت عبد المطلب کا دور آیا تو انھیں خواب میں اسے دوبارہ کھودنے کا الہامی حکم ہوا۔ آپ نے اپنے فرزند اکبر۔ حارث کو ساتھ لے کر تعمیل ارشاد والہام کی۔ اس موقع پر آپ نے منت مانی، اگر مجھے دس بیٹے عطا ہوئے اور جوان ہو گئے تو ان میں سے ایک راہ خدا میں قربان

کروں گا۔ بیٹے پیدا ہو کر جوان بھی ہو گئے تو پھر خواب میں دیکھا کوئی کہہ رہا ہے ' اے عبد المطلب! تم نے جو نذر مانی تھی اس کو پورا کرو۔ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر ایک مینڈھا ذبح کر کے فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ دوسری رات حکم ہوا، جو مینڈھے سے بڑی ہو وہ قربانی کرو۔ آپ نے ایک بیل ذبح کر دیا۔ تیسری رات حکم ہوا اس سے بھی اکبر ذبح کرو کہنے والے سے پوچھا اونٹ سے اکبر کیا چیز ہے ، اس نے کہا اپنی اولاد میں سے ایک بیٹا ذبح کرو جس کی تم نے منت مانی تھی۔ صبح اٹھ کر ساری اولاد کو جمع کر کے یہ ساری بات بیان کر دی۔ ہر بیٹے نے خود کو قربانی کے لئے پیش کر دیا مگر آپ نے قرعہ ڈالا تو حضرت سیدنا عبد اللہؓ کا نام نامی نکلا۔ جب حضرت عبد المطلب چھری لے کر صاحبزادے کو قربان کرنے نکلے تو حضرت عبد اللہ کے بھائی ، ننھیال اور سرداران قریش مانع ہوئے کہیں یہ رسم ہی نہ بن جائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ خیبر کی فلاں کاہنہ سے کوئی بہتر طریقہ دریافت کیجئے۔ چنانچہ کاہنہ کے پاس گئے تو اس نے سارا قصہ سن کر پوچھا 'تم میں نفس کا خون بہا کیا ہے۔ کہا گیا دس اونٹ۔ اس نے کہا تم اپنے شہر جا کر دس اونٹ اور عبد اللہ پر قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ عبد اللہ کے نام پر نکلے تو دس اونٹ اور زیادہ کر کے قرعہ ڈالو۔ یونہی اگر پھر بھی قرعہ عبد اللہ کے نام نکلے تو دس اونٹ بڑھاتے رہیں۔ جب اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو سمجھ لینا ہمارا خدا اب راضی ہو گیا ہے۔ چنانچہ واپس آکر یہ قرعہ شروع کر دیا۔ نوے اونٹوں تک تو قرعہ حضرت عبد اللہ کے نام نامی پر نکلتا رہا۔ مگر اونٹوں کی تعداد سو ہوئی تو قرعہ ان کے نام پر نکلا۔ مگر حضرت عبد المطلبؓ نے احتیاطاً تین بار یہ قرعہ ڈالا تو تینوں بار حضرت عبد اللہؓ کی بجائے اونٹوں کے نام پر قرعہ نکلا۔ چنانچہ آپ نے سو اونٹ ذبح کر کے خاص و عام اور وحوش و طیور کے لئے انھیں چھوڑ دیا۔

اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اب انسانی خون کی قیمت دس اونٹ سے بڑھ کر سو اونٹ ہو گئی، اس طرح قتل کے رجحان پر بھی اثر پڑا۔ حضور پر نور ﷺ نے ایک بار فرمایا۔ اَنَا ابنُ الذَّبِیحَین. (مسلم شریف) ترجمہ: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

پہلے ذبیح ہیں حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام اور دوسرے ذبیح ہیں حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ ۔ خدانخواستہ اگر بتوں کے نام پر قربان کرنے کی منت ہوتی تو وہ ذبیح نہ ہوتے اور نہ حضور پر نور ہادی کونین ﷺ اس انداز سے ان کا ذکر فرماتے۔ دونوں کے واقعات قربانی میں مماثلت بھی واضح ہے۔ اور پھر دونوں کا چھری سے بچ جانا صدقہ ہے اس بات کا کہ دونوں حضور اکرم ﷺ کے والدِ ماجد ہیں

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے خواب کے ضمن میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ ان کا ذکر دو اولعزم پیغمبروں (علیہما السلام) کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ مقام صدیقیت پر فائز ہیں یونہی ذبح کے حوالے سے حضرت سیدنا اسمعیل علیہ السلام کے ساتھ حضرت عبداللہؓ کا ذکر بھی آپ کے مومن کامل اور صدیق ہونے کی علامت ہے

بے داغ جوانی: سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی مبارک پیشانی میں حضور پر نور ﷺ کا نور مبارک چمکتا تھا اور اس کی برکت سے آپ حسن و جمال میں لاثانی تھے۔ مگر یہ حسن صورت تک محدود نہیں تھا بلکہ سیرت طیبہ بھی ہر حسن و خوبی سے آراستہ تھی۔ چنانچہ گو چہرہ زیبا کی دلکشی کئی دلوں کو مسحور کر رہی تھی۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے والدِ ماجد کسی قسم کی اخلاقی کوتاہی سے بھی ملوث نہیں ہوئے۔ بعض عورتیں جو سابقہ الہامی کتب کا مطالعہ کر چکی تھیں، وہ اپنے علم کی روشنی سے خوب پہچانتی تھیں کہ آپ آخری پیغمبر ﷺ کے والد ماجد ہیں اور

اس وقت کائنات کا نور اعظم ﷺ انھیں میں جلوہ گر ہے لہذا ان کی محبت اس بنا پر بیقرار بھی ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ ایک کاہنہ جو خود حسینہ وجمیلہ تھی، اس کی ایک اپنی ہی پیشکش کا جواب حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن اخلاق آموز اور ایمان افروز اشعار میں دیا ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ترجمہ : تو مجھے حرام کام کی دعوت دیتی ہے میرے نزدیک حرام کام کے ارتکاب سے مر جانا بہتر ہے۔ شریف وکریم آدمی ہمیشہ اپنی آبرو اور دین کا تحفظ کرتا ہے۔ حلال بیشک پسندیدہ ہے مگر یہ حلال نہیں (کیونکہ میرا تمہارا نکاح نہیں ہوا) اس لئے جس کام کو تو چاہتی ہے، کیسے ہو سکتا ہے۔

شرکِ وکفر اور فحاشی وعیاشی سے ملوث فضا میں ایک شخص کا نام بھی عبداللہ ہے اور وہ اپنے نام کی معنوی تصویر بن کر اپنی عزت اور خصوصاً اپنے دین کی حفاظت کر رہا ہے اور دعوت گناہ والی شخصیت کو جواب دیتے ہوئے ارتکاب گناہ کو ناممکن قرار دے رہا ہے۔ سوچئیے، کیا یہ طرز فکر بصیرت مومنانہ کے بغیر حاصل ہو سکتا ہے اور کیا اسی طرز عمل کا نام اسلام نہیں۔ (اس موقع پر سنئے ایک حدیث پاک ہے حضرت ابو ہریرہؓ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سات (قسم) کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ (عاطفت) میں لے لے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ ۱۔ عادل بادشاہ، ۲۔ وہ نوجوان جو اللہ عزوجل کی عبادت کرتے ہوئے جوان ہوا، ۴۔ وہ شخص جس کا دل مسجدوں کے ساتھ اٹکا ہوا ہے، ۳۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ ۵۔ وہ آدمی جسے حسین وجمیل عورت دعوت دے تو وہ کہے میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ ۶۔ وہ شخص جو صدقہ کرے تو اس کو اتنا پوشیدہ رکھے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ

معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ ۷۔ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں (بخاری و مسلم)

شادی خانہ آبادی : سیدنا عبد المطلب نے سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہم مجلس لڑکوں کو بلایا اور فرمایا ہم تم کو دس دینار دیں گے۔ تم عبد اللہ سے یہ دریافت کر لو کہ کیا ان کا دل شادی کرنے کو چاہتا ہے تو کس خاندان میں اور کس خاتون سے۔ وہ سب یار دینار کے لالچ میں سیدنا عبد اللہ کے پاس پہنچے اور دریافت کیا آپ نے جواب دیا کہ میری شادی تو ہو گئی۔ اب دوسری شادی کیسی ؟ وہ سب دوست بھی حیران ہوئے، سیدنا عبد اللہ نے فرمایا کہ میں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تیرا نکاح عرش معلی پر آمنہ بنت وہب کے ساتھ ہو گیا۔ مبارک ہو۔ والدین سے دست بستہ عرض کرو آپ اس کا اعلان حضرت وہب کے مکان پر کرا دیجئے۔ لڑکے خوش خوش حضرت سیدنا عبد المطلب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں دس کی بجائے بیس دینار اور دس کھجوریں عطا فرمائیں۔ پھر خاندان سے مشورہ کر کے آپ حضرت وہبؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور سارا واقعہ بیان فرمایا۔ وہ بولے خدائے لم یزل کی قسم ! مجھے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہی بشارت دی ہے ۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ضرور آپ کو بھی بشارت ہوئی ہو گی۔ (ملخصاً از ابوین مصطفٰے) چنانچہ آسمانی ہدایات اور خلیلی بشارات کی روشنی میں حضور نبی آخر و ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا نکاح منعقد ہوا۔

وصال شریف : ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطن مادر میں ہی جلوہ افروز تھے کہ آپ کے والدِ ماجد حضرت سیدنا عبد اللہ قریش کے چند تاجروں کے ساتھ تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے۔ واپسی پر مدینہ منورہ کی سرزمین

میں کھجوریں خریدنے کے لئے رکے تو بیمار پڑ گئے مرض نے طول پکڑا تو باقی ساتھی مکہ معظّمہ چلے گئے مگر آپ وہیں رہ گئے، تاجروں سے بیماری کا حال سن کر حضرت عبدالمطلب ؓ نے اپنے بڑے فرزند جناب حارث کو اپنے محبوب ترین لختِ جگر کی خبر لینے بھیجا تو وہ وفات پا چکے تھے (اناللہ و انا الیہ راجعون) اور نابغۃ الجعدی کی سرزمین میں دفن ہو چکے تھے (عام کتب سیرت)

قبر اقدس میں جسم اقدس: چند سال پہلے (۱۹۷۸ء میں) مسجد نبوی کی توسیع کی گئی تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں بھی کھودی گئیں۔ دور دراز سے جو زائرین اس موقع پر موجود تھے، کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ان سب حضرات کے اجسام مقدسہ بالکل سلامت اور ترو تازہ تھے حتی کہ کفن بھی یوں نظر آتے تھے جیسے آج ہی ڈالے گئے ہوں۔ ان زائرین میں پاکستانی حجاج کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی۔ بزم نعت سیالکوٹ کے چیئرمین الحاج چودھری محمد اقبال دام اقبالہ کے دو بزرگوں کو بھی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان بزرگوں کے اجسام شریفہ کو بصد ادب واحترام جنۃ البقیع میں منتقل کیا گیا تھا۔

قبر انور سے توسل: مدینہ منورہ میں حاضر ہونے والے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات کی زیارت کے لئے نکلتے تو آپ ﷺ کے والدِ ماجد سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر بھی حاضر ہوتے اور توسل بھی کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ بارگاہ رسالتمآب ﷺ میں پیش کرنے کے لئے جو وسائل سب سے موثر و بابرکت ہیں۔ ان میں نہایت بابرکت آپ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا وسیلہ ہے (اور یہ بات کسی بھی صاحب دین و عقل سے مخفی نہیں) اس عظیم الشان مزار مقدس

کے حجرے کے باہر حضرت سلطان محمود غزنوی قدس سرہ کا نصب کردہ ایک قطعہ بھی موجود تھا جس کی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

اے صاحب قبر! آپ کے حضور یہ کمینہ محمود کھڑا ہے آپ اپنے صاحبزادے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے میری سفارش کردیں تاکہ میری بخشش ہو جائے عبداللہ نام کے تو لاکھوں ہوں گے مگر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا والد کہلانے کا حق صرف آپ کو حاصل ہے (نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین ﷺ از مولانا الحاج محمد علی مرحوم)

والدین کریمین کو زندہ کرنا

اور شرف صحابیت عطا فرمانا

☆☆☆

حضور ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے مومن اور ناجی ہونے کا مسئلہ جیساکہ اوپر گزرا تین زاویوں سے زیر بحث آیا ہے۔

ا۔ وہ دور فترت میں تھے اور قرآن پاک کی رو سے عذاب کے مستحق وہ لوگ ہیں جنھیں کسی نبی کی شریعت پہنچی اور انہوں نے انکار کر دیا (غور کیجئے دعوت پہنچے اور پھر کوئی تسلیم نہ کرے تو انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہوگا ہاں تسلیم کرے تو مومن (مسلم) جب دعوت ہی نہیں پہنچی تو انکار وکفر کس کا اور ایمان کس پر چنانچہ اس ضمن میں چند آیات واحادیث سے مسئلے کی وضاحت اوپر گزر گئی۔

۲۔ احادیث شریفہ میں یہ مضمون بھی وارد ہے۔ (اور اوپر ضروری تفصیل سے بیان ہو چکا) کہ ہر دور میں بنی نوع انسان کی ایک تعداد اپنی خصوصی وامتیازی خداداد فراست کی وجہ سے فطرت سلیمہ پر رہی ہے چنانچہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ایسے لوگ مکہ معظّمہ تک میں موجود تھے جو توحیدِ خداوندی پر یقین رکھتے تھے اور ان کی زندگی کا عام نقشہ بھی آسمانی ہدایات اور نبوی تعلیمات کے مطابق ہوتا تھا (اگرچہ بظاہر زمانے میں آسمانی ہدایات اور نبوی تعلیمات ناپید ہوں)۔ اگر یہ بات تسلیم ہے یقیناً ہر دور کے ان

خوش نصیب افراد میں حضور پرنور ﷺ کے آباؤاجداد ضرور شامل رہے ہیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلے کا یہ پہلو اوپر واضح کیا جاچکا ہے اس سلسلے میں یہاں ایک روایت مزید درج کی جاتی ہے جو ازحد جامع اور فیصلہ کن ہے۔

محدث ابن جوزی مرفوعاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے آکر حضور ﷺ سے کہا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُقْرِئُکَ السَّلَامَ وَ یَقُوْلُ اِنِّیْ حَرَّمْتُ النَّارَ عَلٰی صُلْبٍ اَنْزَلَکَ وَ بَطْنٍ حَمَلَکَ وَ حِجْرٍ کَفَلَکَ۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے (ہر) اس صلب پر جس میں تم رہے ہو اور (ہر) اس پیٹ پر جس نے تمہیں اٹھایا اور (ہر) اس گود پر جس نے تمہاری کفالت کی، نار دوزخ کو حرام کر دیا ہے (الحاوی للفتاوی جلد ۱ للعلامہ سیوطی)

۳۔ مسئلے کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے والدین کریمین علی ابنہما و علیہما الصلوۃ والسلام کو زندہ فرمایا توحید و رسالت کی تصدیق کرائی حجۃ الوداع کے موقع پر جب اکمال دین اور اتمام نعمت کا مژدہ سنایا گیا، انھیں شرفِ صحابیت سے نوازا اور پھر وہ اپنی آرامگاہوں میں لوٹ گئے لیجئے ان متعدد مقدس دل افروز روایات میں سے صرف ایک ملاحظہ کریں۔ عَنْ عَائِشَۃَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ سَاَلَ رَبَّہٗ اَنْ یُّحْیِیَ اَبَوَیْہِ فَاَحْیَا ھُمَا لَہٗ فَاٰمَنَا بِہٖ ثُمَّ اَمَاتَھُمَا (زرقانی جلد ۱ الحاوی للفتاوی جلد ۲) ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا آپ کے والدین کو زندہ فرمائے، سو اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرمایا تو وہ آپ پر ایمان لائے، پھر انھیں وفات دے دی۔

اس قسم کی روایات کو فنی اعتبار سے محدثین نے ضعیف کے درجے

میں رکھا اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخصیت کی فضیلبت ثابت کرنے کے لئے ضعیف حدیث مقبول ہوتی ہے ہاں اس سے کسی کا کفر ثابت نہیں ہو سکتا۔ یعنی کسی روایت سے کسی شخص کا کفر ظاہر ہو اور وہ روایت ضعیف ہو تو کفر ثابت نہیں ہو سکے گا، ہاں اگر ایسی ضعیف روایت محض مناقب و فضائل میں ہو تو قبول کی جائے گی۔ حیرت ہے اس علمی تعصب پر کہ کفر پارٹی (یعنی حضور اکرم ﷺ کے والدین کے ایمان کے منکرین) ضعیف بلکہ اضعف حدیثوں سے معاذاللہ کفر تو ثابت کرتے ہیں۔ مگر نسبتاً قوی احادیث سے بھی ان کے ایمان کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ان کے تمام شبہات و خدشات بے سروپا اور رسول دشمنی پر مبنی نظر آتے ہیں۔ مثلاً ابن تیمیہ کا یہ وہم کہ جب نزع کے وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں تو مرنے کے بعد جی کر ایمان لانا کیونکر مقبول ہو سکتا ہے۔ (حالانکہ خدا نے زندہ کیا اور حضور پرنور ﷺ کی درخواست پر زندہ کیا تو کیوں کیا۔ اگر معترض کو حضور اقدس ﷺ کی خصوصی عظمت پر ایمان میسر ہوتا تو ایسا بیہودہ سوال نہ کرتا۔ کیا یہ ممکن نہیں دوسرے محبوبان خدا کے برعکس حضور ﷺ زندہ کریں تو جسم ہی زندہ نہیں دل کو بھی زندہ کر سکتے ہیں۔ یہ حقائق ہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کی جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام میں انفرادی و امتیازی شانِ محبوبیت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر وہ سمجھے جس نے شرابِ عشق کی ایک بوند چکھی ہو۔ اے منکرِ فضلِ حضور تجھ سے کیا کہوں سوائے اس کے کہ:

ع ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

تفاوتِ راہ، خدا اور سول (جل وعلا فصلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کا ایمان قبول مگر نجدی اپنے مورث اعلیٰ کی طرح ڈٹا ہوا ہے۔

وہ نزع سے پہلے عمر بھر ملت ابراہیمی پر رہے ہیں اور کوئی شخص ان کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ سے ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتا جس سے ان کا کفرو شرک ثابت ہوتا ہے بلکہ نصوص قرآن و حدیث سے ان کا ناجی و مومن ہونا ظاہر ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ اب جب مومن جیئے، مومن رہے، مومن کی حیثیت سے عالم فانی سے سدھارے تو دوبارہ زندہ کر کے انہیں کلمہ پڑھانا معاذ اللہ کافر سے مومن بنانے کیلئے نہیں بلکہ ایمان سے صحابیت تک پہنچانے کیلئے تھا۔ الحمد للہ، حجتہ الوداع کے موقع پر جب دین کی تکمیل کا اعلان ہو چکا، ان کے ایمان کا اظہار واعلان مزید شرف کا باعث ہے (جیسا کہ اعلیٰحضرت مجددِ ملت فاضل بریلوی قدس سرہ اور ان سے پہلے کئی محدثین کا نقطہ نظر ہے) شرفِ صحابیت کے علاوہ یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ خالقِ کائنات اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بغض و نفاق رکھنے والوں پر اتمام حجت کرنا چاہتا ہو کہ اگر کسی کو ان کی دنیوی زندگی کے ایمان پر اطمینان نہ ہو تو کم از کم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ان کا اظہار ایمان ہی ان "انکر الاصوات" کو مہر بلب کر دے۔ مگر افسوس یہ بد نصیب۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ. ترجمہ: "اور جن کے دلوں میں آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور وہ کفر ہی پر مر گئے"

کے مصداق ہیں اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، کی عملی تفسیر ہیں۔

رہ گیا سوال کہ جب وہ پہلے ہی مومن تھے تو اب ایمان لانے کا مطلب؟ کاش انہیں کسی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہوتی تو وہ جان سکتے کہ خود اپنے دلائل سے ایمان کی شہادت کا وہ لطف نہیں جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر شہادت حق کا

لطف ہے۔ اب اس کی تفصیل کیا بیان ہو اور خصوصاً ان سے جو عشق و ایمان کی کشادہ فضاؤں میں ہی گھٹن محسوس کرتے ہوں۔ ہاں یہ شرف، یہ مزا، یہ سرور ان کے بس کی بات نہیں، ہاں اس آیت کے الفاظ پر غور فرمائیں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ، اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ..... (النساء، ۱۳۶)

ترجمہ : اے ایمان والو ، ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر۔۔۔۔۔۔۔

مختصر یہ کہ اس آیت میں ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے تو یہاں بھی وہی صورت تصور کرلیں۔ ہرزہ سراؤں کی خرافات سے قطع نظر کر کے آپ ان احادیثِ احیا کے بارے میں معتبر اور مستند محدثین کی رائے ملاحظہ فرمائیں

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں

حدیثِ احیاءِ والدین اگرچہ درقدِ خُود ضعیف است ولیکن تصحیح و تحسین کردہ اند بتعدّدِ طُرق (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

ترجمہ : (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے) والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد تک ضعیف ہے لیکن تعددِ طرق کی وجہ سے (محدثین نے) اسے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔

حضرت علامہ سیوطی، حضرت امام سہیلی (صاحب روض الانف)، امام محدث ابو حفص بن شاہین (صاحب، الناسخ والمنسوخ) محبّ طبری اور امام قرطبیؒ جیسے اکابر مفسرین و محدثین کی مبارک رائیں بھی اس کے ساتھ ملتی جلتی ہیں۔

تاریخ الخمیس کے مصنفِ ذیشان (علامہ حسین محمد بن حسن دیار بکری) فرماتے ہیں (ترجمہ چند عبارات)

"علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالے الدرجۃ المنیفہ فی اباء الشریفہ میں لکھا ہے کہ مشہور ائمہ کی کثیر تعداد کا یہ مذہب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے والدین کریمین جنتی ہیں اور آخرت میں ان کی نجات یقینی ہے۔ یہ حضرات ائمہ اپنے اس مسلک کے مخالفین کے اقوال کو اور ان لوگوں کی تحریرات کو بہت اچھی طرح جانتے تھے جنہوں نے ان سے اختلاف کیا اور یہ حضرات اپنے مخالفین سے درجے میں کوئی کم نہیں اور حدیث و آثار کے حفظ کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر ہیں اور ان دلائل پر تنقید کرنے میں کم نہیں جو مخالفین نے پیش کئے کیونکہ یہ حضرات مختلف علوم کے جامع ہی نہ تھے بلکہ تمام فنون جی بھر کر انہوں نے حاصل کرر کھے تھے۔۔۔۔ لہذا یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان احادیث سے واقف نہیں تھے جن سے ان مخالفین نے استدلال کیا۔۔۔۔۔۔ پھر ان کے ایسے پسندیدہ جولبات دیئے جنہیں مصنف کبھی رد نہیں کر سکتا اور اپنے مذہب پر ایسے دلائل پیش کئے جو قطعیت میں کوہِ گراں کی طرح مضبوط ہیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور

قبر کسی بھی مومن کی ہو، قابل احترام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا (مسلم شریف)

ترجمہ: قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

۲۔ لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَۃٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَہٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ (مسلم شریف) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی دہکتے انگارے پر بیٹھے تو اس کے کپڑوں میں آگ لگے اور اس کے جسم تک اثر پہنچے، یہ اس بات سے بہتر ہے کہ کوئی قبر پر بیٹھے۔

۳۔ کَسْرُ عَظْمِ الْمَیِّتِ کَکَسْرِہٖ حَیًّا (مالک، ابو داود، ابن ماجہ)

ترجمہ: مردے کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ شخص کی ہڈی توڑنا۔

یہ مومن کی قبر کے آداب جو ہادی اعظم نبی خاتم ﷺ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے بیان فرمائے ہیں۔ غور فرمائیے جب ایک گنہگار مومن کی قبر کی بھی یہ عظمت ہے تو صالحین، شہدا اور صدیقین کی قبور کس اجلال و احترام کی مستحق ہوں گی، خصوصاً وہ قبریں جن پر حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ خود تشریف لے گئے اور یوں زیارتِ قبور کی سنت قائم فرما گئے۔ مثلاً یہی حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر مقدس، حضور امام الانبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہاں زیارت کیلئے جلوہ فروز ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ امتِ مسلمہ کو اپنے آقا و مولا ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر اس کی زیارت کیلئے شدِ رحال کرنا چاہیئے نہ کہ اس قبر مقدس کو اکھاڑنے کی ناپاک سعی و جرات کرے۔ اس سے بڑی بد بختی کیا ہو سکتی ہے کہ توحید و رسالت کے باوجود اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو ادا ہی نہ کیا جائے بلکہ اس کو بدعت بلکہ شرک کہا جائے بلکہ اس سنت سے دوسروں کو بھی روکا جائے بلکہ اس کی توہین بلکہ اسے تباہ و برباد کر دیا جائے، خصوصاً اس وقت جب نبی محترم رسول ﷺ یہ فرمائیں کہ مجھے اس قبر پر آنے کی اللہ نے اجازت دی۔ سوچیے بارہا سوچیے، اللہ اجازت دے رہا ہے، اللہ کا رسول ﷺ اپنے رب کی اجازت پر عمل فرما رہا ہے اور ایک گروہ اس کی اجازت کا مقابلہ کرنے کیلئے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آیا ہے اور اسی مقابلے کو توحید اور سنت قرار دے رہا ہے۔ برادران اسلام، کیا کوئی باشعور انسان اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے، کہ اللہ حاکم و مالک حقیقی جل مجدہ کے فرمان پر عمل کرنا بھی شرک ہو سکتا ہے۔ اور حضور پر نور ﷺ کی سنت پر چلنے کو بھی کبھی بدعت کہا جا سکتا ہے اور اگر (معاذ اللہ) اللہ کے فرمان کی تکمیل بھی شرک اور رسول پاک ﷺ کی سنت کی تکمیل بھی بدعت ہے تو توحید و سنت کا مفہوم کیا رہیگا۔ ہاں ہاں اس سے

بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بجائے اپنے نفس کا حکم ماننے کو توحید کہا جائے اور محبوب خدا ﷺ کی ہدایت کے برعکس چلنے کو سنت کا نام دیا جائے۔ حق یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی فضاؤں میں اس سے بڑا فساد اور اس سے بڑی فکری دہشت گردی اور کوئی نہیں کہ 'توحید' و 'سنت' کے صریح ترین تقاضوں کو پاش پاش کرنے کو ہی توحید و سنت کے لبادے میں پیش کیا جائے۔

ہاں ہاں امتِ مرحومہ کو سب سے بڑا نقصان اسی قسم کے مصلحین نے پہنچایا ہے۔ ان کے طرز فکر و انداز عمل کو سامنے رکھئے اور پھر حضور پر نور ﷺ کے علم غیب پر درود و سلام پڑھئے جنہوں نے اپنی امت کیلئے فرمایا تھا۔

اِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَھْلَ نَجْدٍ. ترجمہ: (اے میرے غلامو!) بیشک مجھے تم پر اہل نجد سے خدشہ ہے

گویا آج سے چودہ صدیاں پہلے حضور پر نور غیب بین و غیب دان ﷺ نے جس خدشے کا اظہار فرمایا تھا، پورا نہیں ہوا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ اپنے شام و یمن کیلئے برکت کی دعا فرما چکے تو نجد کیلئے دعا کرنے کی درخواست پر ارشاد فرمایا۔ ھُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَ الْفِتَنُ وَبِھَا یَطْلَعُ قَرْنُ الشَّیْطٰنِ (بخاری شریف)۔ وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور اسی زمین سے شیطان کا سنگ یا ٹولا نکلے گا خیال فرمایئے شام اور یمن دونوں کے بارے میں فرمایا شامنا و یمنا یعنی ہمارے شام اور ہمارے یمن، تو نجد کس کا، شیطانی ٹولے کا، کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے مدینہ شریف سے مشرق کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا اَلْفِتْنَۃُ ھٰھُنَا .: یعنی فتنہ ادھر ہے (یعنی مشرق و نجد میں)

کیا نجدیوں کی "شرک فروش" ذہنیت کی آفات و خدشات کے پیش نظر حضور پر نور ﷺ نے اپنی امت کو یہ تسلی نہیں دی۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰکِنْ فِی التَّحْدِ یْسِ بَیْنَھُمْ (مسلم شریف) ترجمہ: بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں۔

بلکہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے ساری امت کو اس کے عقائد کی توثیق اور توحید پر قائم رہنے کی بشارت دی ہے اور اللہ کی قسم کھا کر دی ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْماً فَصَلّٰی عَلٰی اَھْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَہ عَلَی الْمَیِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنِّیْ فَرْطٌ لَّکُمْ وَاَنَا شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَ اِنِّیْ لَاَ نْظُرُ اِلٰی حَوْضِیَ الْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ وَ اِنِّیْ وَ اللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَا فَسُوْا فِیْھَا۔ (بخاری شریف) ترجمہ: حضرت عقبہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن (مدینہ منورہ) سے باہر نکلے اور احد کے شہیدوں پر نماز پڑھی (یا دعا مانگی) پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا، بے شک تمہارا پیشرو (یعنی آگے چل کر انتظام کرنے والا) ہوں اور تمہارا گواہ و نگہبان ہوں اور بیشک میں ضرور اپنا حوض اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں۔ اللہ کی قسم بیشک مجھے تمہارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ ہاں یہ خوف ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔

دیکھ لیجئے جن عقائد کی بنا پر اہل سنت کو مشرک کہا جاتا ہے، ان میں سب سے اہم یہی ہیں جن کی تصدیق و توثیق خود زبان رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے یہاں فرما دی ہے۔

۱۔ حضور ﷺ اپنی امت کے مددگار، حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، 'فرط' اور 'شہید' میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ دور کی چیزیں بھی نگاہِ رسالت سے پوشیدہ نہیں، اس عقیدے کی تائید میں اپنے حوض کوثر کو دیکھنے کا ذکر فرمادیا۔

۳۔ حضور ﷺ مختارِ خزائن ہیں۔ اس عقیدے کا بیان زمین کے خزانوں کی چابیوں کے عطا ہونے میں آگیا۔

شرک فروش انہیں عقائد کی بنا پر ہمیں مشرک کہتے ہیں، ان کے اس فتوے کو آخری جملے نے باطل کردیا۔ یعنی یہ جملہ کہ

بیشک اللہ کی قسم! مجھے تمہارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ مجھ کو خدشہ تو یہ ہے کہ دنیا میں پھنس جاؤ گے (اور غفلت کا شکار ہو جاؤ گے) یہ ہے نجدی فتنہ سامانیوں کی بنیاد کہ سب مسلمانوں کو مشرک قرار دیا اور یہ ہے اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن جلَّ مجدہ کے رسول اَحْکَم و اَعْلَم و خاتم ﷺ کا فیصلہ۔ سوچئے کہ نجدی فکر حضور سرور کونین ہادی دارین ﷺ کے ارشادات کے بالکل برعکس نہیں، یقیناً ہے۔

"شرح ارمغان حجاز" میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ حج وزیارت کے سلسلے میں جب مدینہ منورہ حاضری ہوئی تو دیکھا مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے ستونوں پر حضور پر نور ﷺ کے اسمائے گرامی تو لکھے ہوئے ہیں مگر ان میں دو ناموں روف، رحیم کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان نجدیوں سے پوچھا گیا کہ ان دو مقدس ناموں کو مٹایا جارہا ہے تو بولے "ان سے شرک کی بو آتی ہے"۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں میں نے کہا، پھر قرآن پاک سے بھی نکال دو، کیونکہ یہ دونوں خدا نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو قرآن میں عطا فرمائے ہیں، ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

یہ چند سطور اس لئے لکھی گئی ہیں کہ واضح ہو جائے نجدیوں کو کتاب و

سنت سے کتنا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی توحید اور ان کا نظریہ سنت اللہ کی اتاری کتاب یا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشی ہوئی راہِ ہدایت سے قطعاً نہیں اور اگر ہے تو مخالفانہ ہے۔

قبروں کا مسئلہ ہی لیجئے، کیا یہ بات روشن احادیث سے ثابت نہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں اکثر اور شہدائے اُحد کے مزارات پر شروع سال میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور خلفائے راشدینؓ اور اہل بیت اطہارؓ نے بھی اس سنت کو جاری رکھا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا تقاضا کیا ہوا، وہاں جانا، انہیں سلام کہنا، ان کیلئے دعا کرنا یا نہیں ڈھانا مگر شیطان کے سینگ کی فطرت اکھاڑنا پچھاڑنا ہے۔ لہذا اس نے وہ کیا جو اس کی فطرت کا تقاضا تھا۔ یعنی بقول شاعر

نیش کژدم نہ از رہِ کین است

مقتضائے طبیعتش این است

یعنی بچھو کسی کو ڈنگ لگاتا ہے تو دشمنی کیلئے نہیں بلکہ یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔

اسی طرح آیئے حضرت سیدہ آمنہؓ کے مزار پر انوار کی طرف حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف لاتے ہیں۔ تو اس پر حاضر ہونا امت کیلئے سنت ٹھہرا۔ جس حدیث پاک میں یہ واقعی بیان ہوا ہے اس کے الفاظ پر غور کیجئے۔ حدیث پاک یہ ہے۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَکٰی وَ اَبْکٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَ اسْتَاْذَنْتُهٗ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لَهَا فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ (مسلم)۔ ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو رو دیئے اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی رلا دیا (نیز) فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے ان کیلئے

دعائے مغفرت کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ دی گئی اور ان کی قبر شریف کی زیارت مانگی تو اس کی اجازت مجھے مل گئی تو قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ موت یاد دلاتی ہے۔

ا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کیلئے استغفار کی اجازت چاہی مگر نہ ملی۔

۲۔ اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کا اذن مانگا جو مل گیا (یہ مضمون ابتدائی صفحات میں بھی آیا ہے مگر یہاں کچھ نکات مزید ہیں)

۳۔ **زیارت قبور کا حکم** : استغفار کی اجازت نہ ملنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ جس کیلئے بخشش مانگی جا رہی ہے وہ بخشش کا اہل ہی نہیں جیسے اہل کفر و شرک، دوسرے یہ کہ ان کیلئے اس قسم کی دعا کی ضرورت نہیں، اور اگر دعا کی جائے تو اس کے گنہگار ہونے کا شبہ پیدا ہو جائے۔ اس شبے کا سدباب یونہی ہو سکتا ہے استغفار کی اجازت ہی نہ دی جائے جیسا کہ نابالغ بچوں کے جنازے کی دعا میں بالغ حضرات کی دعائے جنازہ کے برعکس استغفار نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو گویا اپنا وسیلہ بنانے کی دعا ہوتی ہے۔

اگر ایک گنہگار مسلمان کا بے گناہ بچہ اگلے جہان میں اپنے والدین اور جنازہ پڑھنے والوں کیلئے بخشش کا سبب بن سکتا ہے اور اسی لئے اس کیلئے استغفار نہیں کیا جاتا تو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کیلئے بھی استغفار کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔ اب یہاں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد زیارتِ قبر کی اجازت مانگی تو مل گئی، گویا مسئلہ بالکل واضح ہو گیا کیونکہ کافر و مشرک کی قبر پر جانے سے خداوند کریم نے دو ٹوک انداز میں روک دیا ہے،

ولا تقم علی قبرہٖ (التوبہ)

ترجمہ: اور اس (منافق، کافر، مشرک) کی قبر پر مت کھڑا ہو۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا اذنِ زیارت قبر طلب کرنا اس لئے بھی تھا کہ کسی
کے دل میں کوئی خلجان نہ رہ جائے۔ اگر آپ یہ اذن نہ مانگتے تو بعض لوگ ضرور
شک وشبہ میں الجھے رہتے کہ معاذ اللہ استغفار کی اجازت نہ ملنا ان کے۔۔۔
ہونے کی دلیل ہے۔ اب اجازت مل گئی تو بات واضح ہو گئی (کہ اسی طرح قبر کی
زیارت کی اجازت ہے جو صاحب ایمان ہو لہذا وہ مومنہ ہیں اور استغفار کی اجازت
نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کی طرح بلکہ کفر و شرک ہی نہیں ہر قسم کے گناہ
سے بھی پاک ہیں)

ان دونوں شقوں کو سامنے رکھئے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ امت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک قبر پر جا کر امت کیلئے سنت قائم فرما دی، اب جو حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
سے وفا کرنا چاہئے، دوسری سنتوں کی طرح اس سنت کو بھی حق سمجھے اور حتی
المقدور اس قبر پاک کی زیارت سے مشرف ہونے کی کوشش کرے۔

استغفار کی اجازت نہ ملنے سے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی شان ایک اور
طرح بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے اس آیت پاک پر۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی
الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْہِمْ وَ
یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا جبکہ ان میں
ان ہی میں سے ایک (عظیم الشان) رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا
ہے اور انہیں (ہر برائی سے) پاک کرتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس
سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے (تیسیر البیان فی ترجمہ القرآن)۔ اور پھر سورۃ
الاحزاب میں فرمایا۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَ
یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۔ (الاحزاب، ۳۳) ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو

بیشک اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (گناہوں کی نجاست دور رکھے اور تم کو اچھی طرح پاک رکھے۔

دونوں آیتوں کا لب لباب یہ نکلا زمانے بھر کے مومنوں کو قیامت تک حضور ﷺ ہی پاک کرتے ہیں مگر جو حضور ﷺ کے اپنے اہل بیت ہیں، ان کی تطہیر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ فضل اور اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کے ساتھ غایت درجہ محبت کی بنا پر اپنے ذمہ لی ہے۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اس بات پر غور فرمایئے جس ارحم الراحمین نے محض اپنے حبیب مکرم ﷺ کی محبت و عظمت کی خاطر ان کے اہل بیت کو اپنے ذمہ لیا ہے، وہ ان کے والدین کو (معاذ اللہ) بھول جائے گا۔ اور ان کو طہارت فکر و عمل سے نہیں نوازے گا؟ حاشا وکلا، ایسا ناممکن ہے اور اس ناممکن کو وہی ممکن کہہ سکتا ہے جو جذباتِ محبت و عقیدت اور عقل و ایمان سے عاری ہے۔ سنئے یہ سارے رشتے وہ ہیں۔ جنہیں عرفِ عام کے اعتبار سے بہترین قرب کے باوجود خادمانہ حیثیت رکھتے ہیں اور والدین کا رشتہ ان سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ قرآن پاک نے فرمایا۔

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ (لقمٰن، ۱۴)

ترجمہ: (اور ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کر میرا اور اپنے والدین کا۔

والدین کے مشکور اور اولاد کی شکر گزاری کا جو تصور قرآن پاک نے دیا ہے، احادیث شریفہ میں اس کی توضیحات عام ہیں۔ آیئے یہاں وہ حدیث پاک درج کریں جو اپنی شان میں نہایت ہی فیصلہ کن ہے۔ حضرت طلق بن علیؓ روایت کرتے ہیں۔ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اَدْرَکْتُ وَالِدَیَّ اَوْ اَحَدَھُمَا وَ اَنَا فِیْ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ وَ قَدْ قَرَأْتُ فِیْھَا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَنَادٰی یَا مُحَمَّدُ لَاَجَبْتُھَا لَبَّیْکَ (مسالک الحنفاء)۔ ترجمہ: میں نے سرکارِ دو

عالم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اگر اپنے والدین یا ان سے کسی ایک کا زمانہ پاتا اور نماز عشا شروع کر کے سورہ فاتحہ مکمل کر چکا ہوتا اور وہ مجھے آواز دیتے "یا محمد" تو میں ان کو جواب دیتا "حاضر ہوں"

جس رشتے کا حضور ﷺ کو ایسا احترام ہے، اسے اللہ کی رحمتِ خصوصی سے محروم سمجھنا یقیناً اپنی ابدی محرومی کی دلیل ہے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت صاحبُ احکامِ القرآن سے پوچھا گیا کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے، جو حضور ﷺ کے والدین کریمین کو ناجی نہیں سمجھتا، آپ نے فرمایا اِنَّہٗ مَلْعُوْنٌ (وہ معلون ہے) اور دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً۔ ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت فرمائی اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ولا اذی اعظم من ان یقال ابو یہ فی النار۔ ترجمہ: اور اس سے بڑی اذیت کیا ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کو (معاذاللہ) ناری کہا جائے۔

یونہی صاحب تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جو حضور پر نور ﷺ کے والدین کے خلاف کچھ کہتا ہے، مجھے اس کے کفر کا ڈر ہے (تفسیر روح المعانی)

خیر اسی حدیث پاک کی طرف آیئے جو عنوان کلام ہے۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور پر نور ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ کیلئے استغفار کی اجازت نہ ملنا بھی گویا ان کے مومن اور گناہوں سے محفوظ ہونے کا ثبوت ہے۔ ورنہ قبر کی زیارت کی اجازت کر چکے تو امت کیلئے یہ زیارت سنت بن گئی۔ اس میں چون وچرا کرنا مومن کی شان کے لائق نہیں، ہاں منافق جو چاہے کرے۔ اگر حضرت ہاجرہ

علیہا السلام صفا و مروہ کی سعی فرمائیں تو وہ دونوں پہاڑیاں شعائر اللہ میں داخل ہو جائیں، جس قبر پر خواجۂ کونین سرورِ دارین ﷺ تشریف لے جائیں وہ شعائر اللہ میں کیوں نہ داخل ہو۔

خصوصاً حدیث پاک کے تیسرے حصے میں قبروں کی زیارت کا عام حکم بھی دے دیا۔ اب اس سارے پس منظر کو سامنے رکھ کر کوئی شخص اگر حضور پر نور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے ایمان کا انکار کرتا ہے ان کی قبر پر حاضر ہونے کی بجائے اس کا انکار کرتا ہے اور دوسروں کو بھی روکتا ہے وہ سنت کا کس قدر باغی ہے۔ پھر زبان ہی سے نہیں روکتا، اردگرد غلاظت وغیرہ کے ڈھیر لگا دیتا ہے، اس کے باوجود سنت رسول ﷺ کے عشاق سنت پر استقامت دکھاتے ہیں تو انہیں گرفتار کرانے کی کوشش کرتا ہے اور جب اس سے بھی اہل عشق وایمان کے جذبات پر قابو نہیں پا سکتا ہے، تو قبر ہی کو اکھاڑ دیتا ہے فرمایئے اس قسم کا یا اس قسم کے انسان خود کو کس معنی میں حضور ﷺ کی امت میں شامل سمجھتا یا سمجھتے ہیں اور اپنے ایمان کی دلیل کیا دے سکتا ہے یا دے سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ سے یہ بات کھل کے سامنے آجاتی ہے کہ توحید کا بے ہنگم شور مچانے والے اور تمام امت کو شرک میں گرفتار سمجھنے والے خود ایمان و توحید سے خالی ہیں اور اسلام دشمنوں کے آلہ کار بن کر اسلامی شعائر کے مٹانے کے درپے ہیں۔ ہاں ہاں اسلام دشمن یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے آباؤ اجداد اور ان کی نشانیوں کو بھول جائیں اور اس طرح ان کی اپنی تاریخ سے جذباتی وابستگی ختم ہو جائے، اس کے برعکس کفر و شرک اور اس کے شعائر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور نکھارا جا رہا ہے اسی لئے ایک طرف قبل از اسلام کی کافر شخصیتوں اور قدیم تہذیبوں کے لئے محکمہ آثار قدیمہ سے ہر کہیں کام ہو رہا ہے

اور مسلمانوں کی تاریخی نشانیاں ناپید کی جارہی ہے (تفصیل دیکھئے جان جاناں مصنفہ قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا باب پنجم۔ نیز ہمفرے کے اعترافات وغیرہ)

مندرجہ بالا تحریر اس امید سے لکھی گئی ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے آباؤاجداد خصوصاً آپ کے والدین کریمین اور مزید آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے صدقے سے خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ میں نے اپنی اس نیت کا اظہار اپنے عزیز محترم علامہ غلام مصطفیٰ مجددی صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا، ہم اسے ادارہ تعلیمات مجددیہ کی طرف سے شائع کرنا چاہتے ہیں، خداوند کریم اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل ہم سب کی نیت سیدی و مرشدی حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کے طفیل قبول و منظور فرمائے اور اس تحریر کا ثواب بھی انہیں کی بارگاہ میں نظر کرتا ہوں (کہ انہیں کی برکت میرے لئے خدا اور رسول جل وعلا فصلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کے بعد عظیم ترین سہارا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِنَا رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ

سگِ بارگاہ حضور نقش لاثانی
محمد حسین آسی

مناقب سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

﴿ ۱ ﴾

واہ وا معراجِ شانِ آمنہ　　جانِ دو عالم ہے جانِ آمنہ

ہے بنو زہرہ سے نسبت آپ کی　　کیوں نہ چمکے دود مانِ آمنہ

امہاتُ الانبیا میں آخری　　کون اعلیٰ ہے بسانِ آمنہ

امن و ایمان و امانت اور اماں　　ہے یہی کچھ داستانِ آمنہ

صبحِ مولد ہے ہجومِ مرسلیں　　ہے زیارت گہ، مکانِ آمنہ

حوریں ہیں در کی کنیزیں مرحبا　　اور قدسی خادمانِ آمنہ

ہیں مکان و لامکاں سرکار کے　　کیا ہی واسع ہے جہانِ آمنہ

سب سے سچے کی ہیں سچی والدہ　　کیوں نہ سچا ہو بیانِ آمنہ

جس گلِ تر سے مہکتا ہے جہاں　　ہے وہ زیبِ گلستانِ آمنہ

تختۂ فردوس کہتے ہیں جسے　　ہے وہ فرشِ بوستانِ آمنہ

ہے رفعنا شانِ محبوب کریم　　کیا مٹے نام و نشانِ آمنہ

المدد، یا رحمۃً للعٰلمیں　　الغیاث، اے نورِ جانِ آمنہ

منقبت لکھی کہ آسی کو ملے
شیخ کا صدقہ امانِ آمنہ

﴿ ۲ ﴾

خود اگر چاہے تو حاصل کر پناہِ آمنہ
نور سے معمور ہیں شام و پگاہِ آمنہ

اپنے نورُ العین کے انوار سے روشن ہوئیں
سارے شرق و غرب ہیں پیشِ نگاہِ آمنہ

کفر کیسا ان سے کوسوں دور ہیں فسق و فجور

لائیں منکر ڈھونڈ کر کوئی گناہِ آمنہ

خود تو گویا امن و ایماں کی حسیں تصویر ہیں

اور عبودیت کا پیکر سربراہِ آمنہ

آیا دلآرام ہے آرام دینے کیلئے

کیوں نہ ہو آرام گہ آرامگاہِ آمنہ

مغفرت ان کی محبت، عافیت ان کا ادب

اپنا دشمن ہے نہیں جو خیر خواہِ آمنہ

ہاں خدا سے مانگیئے لیکن بجاہِ مصطفےٰ

ہاں نبی سے مانگیئے لیکن بجاہِ آمنہ

بے وفا بد زبان و تیرہ جان و بے ادب

لعنتی ہے ہر عدوئے رو سیاہِ آمنہ

تجھ کو اُن کے جنتی ہونے میں شک ہے اور ادھر

حُوریوں کے دیدہ و دل فرشِ راہِ آمنہ

تو نبی سے اُن کی مادر کو جدا سمجھے ہوئے

راکھ کر ڈالے گا تجھ کو دودِ آہِ آمنہ

نقشِ لاثانی کے صدقے میں ہے آسی خوش نصیب

یہ ہے مِن جُملہ سگانِ بارگاہِ آمنہ

﴿ ۳ ﴾

امن و امانِ روح کی تصویر آمنہ

صبر و سکونِ قلب کی تفسیر آمنہ

وجہِ وجیہہ ارض و سما کی ہیں والدہ
سرِّ ازل کے کشف کی تدبیر آمنہ

ہاں انبیا کی ماؤں کی مخدومہ کون ہے
کتنی یہ بے مثال ہے توقیر آمنہ

ہاں ہاں ظہورِ نورِ نبی کا ہے یہ اثر
سرتا بہ پا ہیں آپ بھی تنویر آمنہ

کسقدر خوش نصیب ہے جس کا وہ خواب ہے
جس خواب کی حضورؐ ہیں تعبیر آمنہ

ہے فقرِ ظاہری تو فقط غیر کو حجاب
کون و مکاں ہیں آپ کی جاگیر آمنہ

فیضِ نبی سے کیسے ملے آپ کو گہرؐ
خیر النساء و شبّرؓ و شبّیرؓ آمنہ

ایمان جس کا آپ کے ایمان پر نہیں
واللہ وہ ہے لائقِ تعزیر آمنہ

ہوگا نزولِ قہرِ خدا سُن او بے ادب
تجھ سے جو ہوگئیں کبھی دلگیر آمنہ

حسرت رہے نہ آسیؔ کو کوئی بجاہِ شیخ
ہو آپ کا کرم جو خبر گیر آمنہ

(پروفیسر محمد حسین آسی)

﴿۴﴾

کیا بیاں ہو بھلا سطوتِ آمنہ ام سرکار ہیں حضرتِ آمنہ

عزتِ آمنہ ، عظمتِ آمنہ | ہے خرد سے وراء حشمتِ آمنہ
دل میں رکھتی ہے ہر حورِ باغِ جناں | حسرتِ رویتِ حضرتِ آمنہ
بالیقین اس کو امن واماں مل گیا | مل گئی ہے جسے نسبتِ آمنہ
مدحتِ مصطفیٰ کا یہ احسان ہے | مل گئی مجھ کو بھی مدحتِ آمنہ
گود میں جلوہ گر ہیں شہِ شش جہت | واہ وا رفعتِ قسمتِ آمنہ
نور ہی نور ہے حسن ہی حسن ہے | سربسر صورت و سیرتِ آمنہ
رحمتِ بزمِ کونین کی مرحمت | کیوں ہو محدود پھر رحمتِ آمنہ
اس پہ راضی نہ ہونگے کبھی مصطفیٰ | جس کے دل میں نہیں الفتِ آمنہ
نقشِ لاثانی کے در کا منگتا ہوں میں | مجھ پہ اعجاز ہے رحمتِ آمنہ

(حافظ اعجاز حسین اعجاز)

﴿۵﴾

زاھدہ عابدہ ، سیدہ آمنہ | صابرہ طاہرہ ، سیدہ آمنہ
عظمتِ زندگی ، شوکتِ بندگی | امن کا راستا ، سیدہ آمنہ
تیرے ایماں پہ قربان ایماں ہوا | تو سراپا رضا ، سیدہ آمنہ
تیری قبرِ منور پہ آئے نبی | مرحبا مرحبا ، سیدہ آمنہ
تیرا شوہر ہے سردارِ قومِ عرب | مادرِ مجتبیٰ ، سیدہ آمنہ
مریم و آسیہ تیرے در پہ فدا | غیرتِ ہاجرہ ، سیدہ آمنہ
تیری ادنیٰ کنزیں ہیں حُوران پاک | خُلد ہے گھر ترا سیدہ آمنہ
جسکی خوشبو سے دنیا مہکنے لگی | وہ ترا گلدہ ، سیدہ آمنہ
میں غُلامِ درِ مصطفےٰ ہوں مرا | حشر میں ہو بھلا سیدہ آمنہ

(غلامِ مصطفےٰ مجددی ایم۔اے)